حسنِ خاتمہ

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

حُسنِ خاتمہ

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

نام کتاب : **حسنِ خاتمہ**

مؤلف : **حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی** دامت برکاتہم

بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

و خلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

صفحات : ۱۷۱

تاریخ طباعت : رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

ناشر : **مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور**

موبائل نمبر : 9036701512 / 09634830797

ای۔میل : maktabahmaseehulummat@gmail.com

التقریظ

شیخ طریقت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

(خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم أما بعد!

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ.﴾

ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ موت آجاوے۔

(بیان القرآن)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کے اندر یہ ہدایت فرمائی کہ کسی انسان کے لیے زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے اوپر کوئی ایسا وقت گزارے، جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی جائے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا ہے کہ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔) (بیان القرآن)

نیز اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ عبادت گذاروں کے لیے فرمایا ہے، چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« اعبدوا الرحمن وأطعموا الطعام وأفشوا السلام تدخلوا الجنة بسلام »

(اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کھانا کھلایا کرو اور سلام کا افشاء کرو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔) (ترمذی:۲/۳۴۰)

میں سمجھتا ہوں کہ مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی نے اسی مقصد کے انکشاف کے لیے کتاب وسنت اور سیرت سلف کی حکایات وواقعات نقل کر کے اس مقصد کی خوب ہی خوب وضاحت فرمائی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ

• **سیرتِ سلف کی اہمیت:** چناں چہ منجملہ اصول طریق کے سیرت سلف بھی ہے جیسا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اس سلسلہ میں اپنی جامع کتاب ''تعلیم الدین'' میں حضرت شیخ قوام الدینؒ کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے، جس میں کتاب وسنت کے ساتھ سیرت سلف کو بھی معیار طریق قرار دیا ہے۔ وہ یہ ہے:

''اے درویش! محک ومعیار این کار کتاب وسنت ست وسیر سلف کہ اہل اقتدا بودند نہ اجازت مجرد ومقام متبرک کہ فلاں فرزند درویش ست در جائے آباء واجداد خود نشستہ۔'' (اصلاحی نصاب:۴۴۲)

ترجمہ: اے فقیر اس کام کا معیار وکسوٹی کتاب وسنت اور سیرت سلف ہے (اور سلف سے مراد وہ لوگ ہیں، جو قابل اقتداء ہیں نہ کہ محض اجازت یافتہ اور مقام متبرک کہ فلاں شیخ کا بیٹا اپنے آبا واجداد کا جانشین ہے۔

چناں چہ مکرم مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب نے سیرتِ سلف کا اہم پہلو جو موت ومابعد الموت کی استعداد وتیاری ہے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے سلف کے حالات وواقعات بیان کر کے اس شعبہ کو خوب واضح فرما دیا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

چناں چہ اس حقیر نے آپ کی کتاب مسطور ''حسن خاتمہ'' کا قریب قریب بالاستیعاب

مطالعہ کیا، جس سے اپنی حالت پر نظر کر کے متاسف ومتاثر ہوا؛ بل کہ دل کانپ گیا اور دل میں تقاضا ہوا کہ آپ کے لیے یہ شعر پڑھوں:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی　　مرا باجانِ جاں ہمراز کردی

اخیر میں خواجہ عزیز الحسن مجذوب ﷫ کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں جو موت کی یاد تازہ کرا دیتی ہے۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت　　موت کا دھیان لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا　　میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

والسلام

محمد قمر الزماں الہ آبادی
(دار المعارف الاسلامیہ، الہ آباد، یوپی)
۱۴/رجب ۱۴۴۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَ الصَّلاةُ وَ السَّلامُ عَلٰى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ، وَ الْمُرْسَلِيْنَ، وَ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ، وَ مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ، أَمَّا بَعْدُ:

یہ حقیقت فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ انسانِ مؤمن اس دنیا میں جس عقیدے کو لے کر زندگی کرتا ہے، اس میں وہ اس عقیدے کا بھی پابند ہے کہ یہ دنیا ایک ناپائے دار اور فانی جگہ ہے، جہاں انسان محض عارضی طور پر اس مقصد کے تحت بھیجا گیا ہے کہ وہ اپنی آخرت کو بنا لے اور سنوار لے؛ لہٰذا جب تک اسے یہاں رہنا مقدر ہے، وہ یہاں رہے گا اور جب اس کی مقررہ مدت ختم ہو جائے گی، تو وہ یہاں سے کوچ کر کے دارِ آخرت میں جا کر بسیرا کرے گا۔

ہاں! یہ سوال کہ وہاں اس کا حشر کیا اور کیسا ہوگا؟ یہ اس کے اس دنیا میں باایمان و باعمل زندگی کرنے اور اسی پر خاتمہ پانے پر، یا بے ایمانی اور بدعملی کی زندگی اختیار کرنے اور اسی حالت پر مرنے پر موقوف ہوگا؛ لہٰذا جب انسان کا اس دنیا سے دم واپسیں ہو؛ تو اس وقت اس کا حسنِ انجام اور حسنِ خاتمہ مطلوب ہے؛ تاکہ وہ حشر میں نیک نام اور بامراد ہو۔

لہٰذا ہر مؤمن کو اس بات کی فکر و تڑپ ہونی چاہیے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو اور وہ ایمان و یقین کے ساتھ اس دنیا سے واپس ہو؛ تاکہ وہاں اسے اللہ کی رضا اور جنت کی نعمتیں حاصل ہوں۔

حضرت صوفی سرمدؒ نے اپنی رباعی میں کہا ہے کہ

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو　　ہمہ خنداں بودند و تو گریاں
آن چناں زی کہ وقتِ مردنِ تو ہمہ　　گریاں بودند و تو خنداں

(یاد کر کہ تیری پیدائش کے وقت سب لوگ ہنس رہے تھے اور تو روتا ہوا آیا تھا، اب زندگی اس طرح کرنا کہ تیری موت کے وقت سب تو رو رہے ہوں اور تو خوش وخرم یہاں سے چلا جائے۔)

اسی مضمون کو ایک عربی شاعر نے بہت خوبصورت اور بلیغ انداز میں نظم کیا ہے، وہ کہتا ہے:

وَلَدَتْکَ أُمُّکَ یَا ابْنَ آدَمَ بَاکِیاً
وَ النَّاسُ حَولَکَ یَضْحَکُونَ سُرُوراً
فَاعْمَلْ لِنَفْسِکَ أَنْ تَکُونَ إِذَا بَکَوا
فِي یَومِ مَوْتِکَ ضَاحِکاً مَسْرُوراً

موت کے وقت یہ خوشی ومسرت اسی کو حاصل ہوگی، جس کا خاتمہ خیر وایمان پر ہو جائے، ایسا شخص یہاں سے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی مقام میں لے جایا جائے گا اور اس وقت اس کا حال وہ ہوگا، جسے حافظ شیرازی نے رقم کیا ہے:

خرم آں روز کہ کزیں منزل ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم، وز پئے جاناں بروم

(میں اس روز بڑا خوش وخرم ہوں گا، جب اس ویراں دنیا سے جاؤں گا، راحت جان طلب کروں گا اور محبوب کے پیچھے چلوں گا۔)

اس حقیر وفقیر سراپا عیوب وتقصیر نے چند ماہ قبل جمعرات کو محلّہ ''بیدواڑی، بنگلور''، میں ہونے والی ہفتہ واری ''اصلاحی مجلس'' میں اسی عنوان پر گفتگو کی اور دورانِ گفتگو ہی یہ احساس ہونے لگا کہ یہ عنوان کس قدر اہمیت کا حامل ہے اور دن رات اس کی جانب متوجہ رہنے کا

متقاضی ہے؛ مگر اس کے باوجود ہم لوگ کس قدر اس مسئلے سے غافل ہیں! یہ سوچ کر اور اپنی بے فکریوں کا اندازہ کر کے دل میں بڑی بے چینی اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی، اسی احساس نے اس بات پر مجھے ابھارا کہ اپنی آخرت کو سنوارنے کے لیے اور اپنے خاتمہ بالخیر کے لیے قرآن وسنت اور اقوالِ بزرگانِ دین سے استفادہ کروں اور یہ معلوم کروں کہ خاتمہ بالخیر کے لیے کیا وسائل ہیں اور وہ کیا امور ہیں، جو اس میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں؟ چناں چہ احقر نے اس حوالے سے جب مطالعہ کیا، تو مطالعے کے دوران اپنا حاصلِ مطالعہ بھی لکھنا شروع کیا؛ تاکہ یہ ایک یادداشت کے طور پر اپنے پاس رہے؛ مگر جب اس مواد کی جانب دیکھا، تو معلوم ہوا کہ ایک اچھا خاصا مواد اس سلسلے میں جمع ہو گیا ہے اور اسی کے ساتھ یہ خیال بھی آیا کہ اگر یہ کسی اور کے لیے بھی فائدہ مند ہو جائے، تو یہ میرے لیے ''الدالُّ علی الخیر'' کا مصداق بن جائے گا۔

لہٰذا اسی یادداشت کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے، چناں چہ زیرِ نظر تحریر میں قرآن وسنت اور اقوال واحوالِ اکابر کی روشنی میں خود کو اور دیگر لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر مؤمن کو اپنے انجام کی فکر کرنا چاہیے اور اس میں اس کی اہمیت وضرورت کے ساتھ ساتھ یہ بتانے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ خاتمہ بالخیر کے اسباب ووسائل کیا ہیں؟ اور وہ کیا امور ہیں، جو خاتمہ بالخیر میں رکاوٹ بننے والے ہیں؟ تاکہ ہم سب خاتمہ بالخیر اور خاتمہ علی الایمان کے لیے خود کو تیار کریں اور خاتمہ بالخیر کے وسائل واسباب کے استعمال کے ساتھ ان امور سے اجتناب کریں، جو اس کے لیے رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں۔

اخیر میں اس تحریر کے قارئینِ کرام سے بڑی لجاجت کے ساتھ اس حقیر کی گزارش ہے کہ وہ میرے حق میں ضرور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری اولاد اور متعلقین کو ایمان پر خاتمہ عطا فرمائے اور اس کے لیے مجھے تیاری کی توفیق سے نوازے اور اس میں میری مدد ونصرت فرمائے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والے میری اس گزارش کو

ضرور کسی لائق سمجھیں گے اور میرے لیے دعا کریں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خاتمہ بالخیر عطا فرمائے اور ان اعمال و اسباب کے اختیار کرنے اور برتنے کی توفیق بخشے، جو اس میں معین و مددگار بنتے ہیں اور ان امور سے بچنے میں مدد فرمائے، جو اس میں سدراہ بنتے ہیں۔ آمین یارب العالمین۔

مؤرخہ:۲/ ربیع الثانی/ ۱۴۳۹ھ

مطابق:۲۰/ دسمبر/ ۲۰۱۷

فقط

محمد شعیب اللہ خان

خادم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

ایمان کی اہمیت اور اس کے تحفظ کی ضرورت

ایمان سب سے بڑی نعمت

یہ ہر قسم کے شک و ریب سے بالاتر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں، جو مختلف شکلوں اور صورتوں سے اپنے بندوں پر دن رات بارش کی طرح برستی رہتی ہیں، ان نعمتوں میں سے مؤمن کی زندگی میں سب سے بڑی نعمت ''ایمان'' ہے، اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ پھر یہ نعمت چوں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف مؤمن بندوں ہی کو ملتی ہے، غیر مؤمن اس میں اس کے ساتھ شریک و سہیم نہیں؛ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص نعمتوں میں سے ایک کہلاتی ہے۔

کیوں نہ ہو، جب کہ اسی کی بنیاد پر انسان کی دنیوی صلاح وفلاح اور اخروی کامیابی ونجات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے ﴿سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ میں کہا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (تحقیق کہ مؤمن لوگ کامیاب ہوگئے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا کہ

« فَأَذِّنْ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ إِنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ. »(۱)

(یہ اعلان کردو کہ جنت میں مؤمن کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا، بلا شبہ اللہ تعالیٰ فاجر آدمی کے ذریعے بھی دین کی تقویت کا سامان پیدا کردیتے ہیں۔)

اسی طرح احادیث میں ہے کہ آپ کی جانب سے متعدد صحابہ نے حج کے موقع پر منیٰ میں اعلان کیا تھا؛ کہ مؤمن کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔

الغرض ایک مؤمن کے لیے اس کائنات میں سب سے بڑی نعمت ایمان کی نعمت ہے اور مؤمن اسی پر فخر کرتا ہے۔

ایمان کے بقا وتحفظ کی فکر

جب یہ معلوم ہوگیا کہ ایمان سب سے بڑی نعمت خداوندی ہے؛ تو اب ایک اصول سمجھنا چاہیے، وہ یہ کہ کسی انسان کو کوئی نعمت ملتی ہے، تو اس کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ نعمت باقی محفوظ اور صحیح وسالم رہے اور اس کو باقی وسالم رکھنے کے لیے وہ دو طریقے سے کوشش کرتا ہے: ایک تو اس طرح کہ اس کے بقا کا سامان پیدا کرتا ہے؛ لہٰذا وہ کبھی تو تجوری میں بند رکھتا ہے اور کبھی اس کو باقی رکھنے تجارت میں لگا کر نفع کماتا ہے اور دوسرے اس طرح کہ اس پر پیش آنے والی آفات ومصائب کے سلسلے میں چوکنا رہتا ہے اور ان سے بچاؤ کی تدبیر کرتا ہے؛ لہٰذا چوروں اور ڈاکوؤں کے حملوں سے یا کسی اور قسم کے حادثے سے اسے بچانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔

اسی فطری اصول کے مطابق ایک مؤمن کا معاملہ اپنے ایمان کے حوالے سے ہوتا

---

(۱) الصحيح للبخاري :٦٦٠٧، الصحيح لمسلم :٢٧٣٥، سنن الترمذي :٣٠٩١، سنن النسائي:٣٩٩٣، مسند أحمد:٧٩٦٣، صحيح ابن حبان:٣٨٢٠

ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہوا کہ مؤمن کو اس کائنات میں سب سے بڑی اور مخصوص نعمت ''ایمان'' کی شکل میں دی گئی ہے، تو اس کے باقی و سالم رکھنے کی خواہش اور آرزو اس کی ایمانی فطرت کا لازمہ اور تقاضا ہے؛ لہٰذا اب اس کو بھی یہی دو کام کرنے ہیں: ایک ایمان کے بقا و سلامتی کی سبیلیں اور وسائل تلاش کرنا اور دوسرے اس پر پیش آنے والے خطرات و آفات سے اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا۔

لہٰذا ایک مؤمن اپنے ایمان کے حوالے سے سب سے پہلے تو اس کے بقا کے سامان واسباب پیدا کرتا ہے اور اس کی حفاظت کے ذرائع و وسائل تلاش کرتا ہے اور وہ سامان و وسائل عبادات اور اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ وغیرہ ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ ہر وقت اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی آفت اور حادثہ ایسا نہ پیش آ جائے، کہ یہ نعمت زائل ہو جائے یا چھن جائے، کہیں کوئی لٹیرا اس کو لوٹ کر نہ لے جائے، یا میں خود کوئی ایسی غفلت ولاپرواہی نہ کر بیٹھوں کہ یہ ضائع ہو جائے۔

ایمان کے لیے دو بڑے خطرے

نعمتِ ایمان کا دشمن اور اس کا لٹیرا یا تو نفس ہے یا شیطان؛ لہٰذا خواہشات کی پیروی اور شیطان کی اتباع وہ عظیم خطرہ ہے، جو ایک مؤمن کو اپنے ایمان کے حوالے سے ہر وقت فکر مند رکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں خطرات بہت بڑے اور خوف ناک ہیں۔ جہاں تک شیطان کا خطرہ ہے، تو اس وجہ سے کہ اس نعمتِ ایمان کو برباد کرنے اور اس کو لوٹنے کے لیے شیطان اور اس کی پوری ذریت ہمہ تن اور ہمہ وقت لگی ہوئی ہے اور ان کی یہ کوشش ہے کہ مؤمن کو اس دنیا میں ہی بے ایمان بنا دیا جائے اور کم از کم اس دنیا سے جاتے ہوئے اسے ایمان سے محروم بنا دیا جائے۔

چناں چہ خود شیطانِ لعین نے اس کا دعویٰ حضرت حق تعالیٰ کے سامنے قسم کھا کر کیا تھا، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ﴿سُورَةُ الأَعْرَافِ﴾ کے اندر کیا ہے:

﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ٥ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ ۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ط وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ.﴾

(وہ شیطان کہنے لگا کہ آپ نے چوں کہ مجھے گم راہ قرار دیا ہے؛ لہٰذا میں ان لوگوں کو بہکانے کے لیے آپ کے بنائے ہوئے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا، پھر ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے ان پر حملہ کروں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائیں گے۔)

اس آیتِ کریمہ میں شیطان نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر جو دعویٰ کیا تھا، اس کا ذکر ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں لوگوں کو گم راہ کرنے اور اپنی راہ پر لگا لینے کی پوری طرح کوشش کروں گا اور ان کو اللہ کا شکر گزار رہنے نہ دوں گا؛ لہٰذا نتیجہ یہ ہے کہ ان کو کافر بنا دوں گا۔

اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جگہ جگہ ہمیں آگاہ کیا ہے کہ شیطان تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ چناں چہ ﴿سُوْرَةُ الْبَقَرَة﴾ میں دو جگہ اور ﴿سُوْرَةُ الْاَنْعَام﴾ میں ایک جگہ یہ آیت آئی ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾

(البقرة: ۱۶۸، ۲۰۸/ الأنعام: ۱۴۲)

(اور تم شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو؛ کیوں کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔)

اس کے علاوہ بھی کئی جگہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ شیطان تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے، معلوم ہوا کہ شیطان کا خطرہ، ایمان کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے، جس پر ہمیں خود اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا ہے۔

لہٰذا شیطان کے اس زعم اور پھر اسی کے مطابق اس کی گم راہ کن کارروائیاں انسان کے پیچھے مسلسل ہونے کی وجہ سے، ایک مؤمن کو مزید فکر مند ہونا، ایک طبعی وفطری بات ہے؛ کیوں کہ جب اسے اپنی اس نعمت کی قدر ہے اور دوسری جانب شیطان کی عیاری ومکاری اور مؤمن کے خلاف اس کی گم راہ کن کارروائی مسلسل جاری ہے، تو وہ ضرور فکر مند ہوگا اور اس کو فکر مند ہونا چاہیے کہ کہیں یہ لٹیرا میرا ایمان برباد نہ کردے۔

اور رہا نفس کا خطرہ، تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انسانی نفس انسان کو برائیوں کا حکم دیتا ہے اور اس کو ہلاکت کی جانب لے جاتا ہے۔

قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ، جو گم راہ ہوئے اور آج بھی حق سے روگردانی کیے ہوئے ہیں، اس کی بنیادی وجہ ان کا نفس وخواہش کی پیروی کرنا ہے، اسی لیے قرآنِ کریم ہمیں متوجہ کرتا ہے کہ اتباعِ نفس سے پرہیز کرو اور خواہشات کی پیروی ہرگز نہ کرو اور وہ خواہش کی پیروی کرنے والوں کو سب سے بڑا گم راہ قرار دیتا ہے۔

چناں چہ ﴿سُوْرَةُ الْقَصَصْ﴾ میں ہے:

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (الآية:۵۰)

(اور اس سے بڑا گم راہ کون ہوگا، جس نے اللہ کی جانب سے آنے والی ہدایت کو چھوڑ کر خواہش کی پیروی کی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔)

بل کہ قرآن کریم خواہشاتِ نفسانیہ کو بھی ایک بت قرار دیتا ہے؛ کیوں کہ انسان خواہش کے پیچھے پڑتا ہے، تو اسی کو معبود بنالیتا ہے۔

چناں چہ ﴿سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ﴾ میں ہے:

﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ

بَعْدِ اللّٰهِ ، اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾

(کیا آپ نے اس کو دیکھا، جس نے اپنی خواہش ہی کو معبود بنالیا اور اللہ نے علم کے باوجود اس کو گم راہ کردیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پس اللہ کے گم راہ کرنے کے بعد اس کو کون ہدایت دے گا؟ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟)

ایک حدیث میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان کے سایہ تلے اللہ کے علاوہ پوجے جانے والا کوئی معبود، اللہ کے نزدیک خواہش سے زیادہ خطرناک نہیں ہے۔(۱)

اور ایک حدیث میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ هَوَاهُ يُضِلُّه" (وہ بندہ بڑا برا ہے؛ جس کی خواہش نے اسے گم راہ کردیا ہو۔)(۲)

الغرض خواہش نفسِ انسان کو ہلاکت کی جانب لے جانے والی چیز ہے اور یہ اس کے ایمان کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے۔

مؤمن اور اس کے ایمان کی ایک مثال

مؤمن اور اس کی اس نعمت: ایمان کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص سمندر میں اپنی کشتی کے اندر کروڑہا روپیوں کا سازوسامان اور مال لے کر جارہا ہے اور اسے وہ مال و دولت اپنی بستی تک لے جانا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ سمندر کا سفر کس قدر خطرات سے پُر ہوتا ہے کہ ایک جانب سمندر کی موجوں میں طغیانی کا خوف، تو دوسری جانب سمندری جانوروں میں سے خطرناک جانوروں کے کشتی کے الٹ دینے کا خوف۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص ہر وقت فکرمند ہوگا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آجائے اور یہ سارا مال و دولت میرے سمیت غرق نہ ہوجائے

(۱) المعجم الكبير للطبراني:٧٤٣٧، السنة لابن أبي عاصم:٣

(۲) السنة لابن أبي عاصم:١٠

اور سمندر کی خوفناک موجیں اس کو ضائع نہ کردیں یا کوئی خطرناک جانور سمندر سے نکل کر کشتی کو الٹ نہ ڈالے! پس جس طرح سمندر کا یہ مسافر سمندر کے سفر میں بالکل مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ سکتا؛ بل کہ وہ ہر وقت اپنی ذات اور اپنے ساز و سامان کے سلسلے میں فکر مند ہوتا ہے، تا آں کہ وہ اپنی منزل تک پہنچ جائے۔ بالکل اسی طرح آخرت کا مسافر بھی اپنے ایمان کو بہ خیر و عافیت منزل مقصود تک لے جانے تک فکر مند ہی ہوتا ہے کہ کہیں نفس کا حملہ مجھے بے ایمان کر کے میرا سارا سرمایہ ضائع نہ کردے، یا شیطان اپنی خطرناک چالوں سے مجھے کافر نہ بنا ڈالے؛ لہٰذا ایک مؤمن آخرت کا سفر مکمل ہونے تک اور اللہ کے پاس بہ خیر و عافیت پہنچنے تک اسی طرح فکر مند و پریشان رہے گا اور رہنا ہے۔

ایمان کے سلسلے میں اس فکر مندی کا کچھ اندازہ ایک بزرگ کے اس قول سے لگایئے کہ وہ کہتے ہیں کہ

"لا تكف دمعَكَ حتّٰى ترىٰ في المعاد ربعَكَ."

(اپنے آنسو اس وقت تک نہ پونچھنا، جب تک کہ آخرت میں اپنی خوش حالی نہ دیکھ لو۔)

یہاں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مؤمن کو اپنے خاتمے کے سلسلے میں فکر مند ہونا، بے چین رہنا اور ڈرتے رہنا، اس کے ایمان کا فطری تقاضا بھی ہے اور ایمان جیسی عظیم الشان چیز کے عطا ہونے پر رب ذوالجلال کی بارگاہِ عالی مقام میں شکر بجالانے کا حق بھی ہے۔

ایک عبرت خیز اور دلوں کو دہلا دینے والا قصہ

امام شمس الدین السفیری شارحِ بخاری ﷫ نے ایک عجیب اور دلوں کو دہلا دینے والا قصہ نقل کیا ہے، وہ یہ کہ تین عابد و زاہد لوگ حج کے ارادے سے نکلے اور راستہ چلتے ہوئے، ایک گاؤں میں رات گزارنے کے لیے اترے، وہ گاؤں عیسائی لوگوں کا تھا۔ ان زاہدوں میں سے ایک کی نظر ایک عیسائی لڑکی پر پڑی اور وہ اس پر ایسا فریفتہ ہوا کہ اس نے آگے ان

کے ساتھ حج کے لیے چلنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا اور کوئی بہانہ بنا دیا،اس کے دو ساتھی اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ یہ شخص اس لڑکی کے باپ سے ملا اور اس کی لڑکی سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا،اس نے کہا کہ مہر بہت دینا ہوگا، اگر تم راضی ہو، تو میں شادی کر دوں گا۔ اس نے پوچھا کہ کیا مہر دینا ہوگا؟ لڑکی کے باپ نے کہا کہ اس کا مہر یہ ہے کہ تمھیں اپنا اسلام چھوڑنا ہوگا اور دینِ عیسائیت کو قبول کرنا ہوگا۔ اس پر وہ شخص اسلام کو چھوڑنے اور عیسائی بننے کو تیار ہوگیا۔ چناں چہ عیسائی بن کر اس لڑکی سے شادی کر لیا اور وہیں رہنے لگا اور اس عرصے میں اس کے دو بچے بھی ہو گئے اور چند سالوں کے بعد وہ آدمی اسی بے ایمانی کے ساتھ عیسائیت ہی پر مر گیا۔ اس کے دو ساتھی جب حج سے فارغ ہوئے اور واپس لوٹ گئے اور جب اپنے وطن میں جا کر بھی اس ساتھی کو نہ دیکھا، تو ایک عرصے تک منتظر رہے کہ اب واپس ہو جائے گا اور تب واپس ہو جائے گا؛ مگر کئی سال ہو کر بھی وہ نہ آیا، تو یہ لوگ اپنے اس ساتھی کی خیریت معلوم کرنے، اس گاؤں میں وارد ہوئے اور معلومات کیں، تو لوگوں نے بتایا کہ وہ تو عیسائی ہوگیا اور اسی پر اس کا انتقال ہوگیا اور اسے عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا ہے، تو وہ دونوں قبرستان پہنچے، تو دیکھا کہ اس کی بیوی اور بچے وہاں روتے بیٹھے ہیں، یہ دونوں بھی دور ہی بیٹھ کر رونے لگے۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس کی بیوی نے پوچھا کہ تم کون ہو اور دور بیٹھ کر کیوں رو رہے ہو؟ انھوں نے قصہ سنایا کہ یہ ہمارا ساتھی حج کے ارادے سے ہمارے ساتھ نکلا تھا اور بڑا عبادت گزار اور نیک تھا؛ مگر اس کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ وہ بے ایمان ہو کر انتقال کر گیا؛ اس لیے ہم رو رہے ہیں۔ یہ سن کر اس کی بیوی اور بچے بڑے متاثر ہوئے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ واقعہ بیان کر کے امام ابو محمد کہتے ہیں کہ پاک ہے اللہ کی ذات! جو مسلمان تھا، وہ کافر مرا اور جو کافر تھے، وہ مسلمان ہو گئے۔ اسی لیے مسلمان کو اپنے خاتمے کے سلسلے میں ہر وقت خوف زدہ رہنا چاہیے۔ (۱)

(۱) شرح البخاري للإمام السفيري: ۱۴/۱۴

ایک اور اللہ والے کا حال

ایک اللہ والے کا یہ واقعہ متعدد اللہ والوں سے سننے کو ملا کہ ان سے کسی نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی ڈاڑھی اچھی ہے یا میرے بکرے کی ڈاڑھی؟ یہ پوچھنے والا تو محض ایک تفریح کا سامان پیدا کرنا چاہتا تھا، یا ان بزرگ کا مذاق اڑانا چاہتا تھا؛ مگر ان بزرگ نے اس کی بات کا برا نہیں مانا؛ بل کہ وہ خاموش رہے اور جب اس نے بار بار جواب کا تقاضا کیا، تو ان بزرگ نے فرمایا کہ اس کا جواب میں ابھی دے نہیں سکتا۔ اس نے کہا کہ کیوں نہیں دے سکتے؟ فرمایا کہ جب تک خاتمہ بالخیر نہ ہو اور ایمان پر موت نہ آئے، میں نہیں کہہ سکتا کہ میری ڈاڑھی اچھی ہے یا تیرے بکرے کی ڈاڑھی؟ اگر خاتمہ ایمان پر ہوا؛ تو میری ڈاڑھی اچھی ہے اور نہیں؛ تو تیرا بکرا اور اس کی ڈاڑھی مجھ سے اچھے ہیں۔

اس واقعے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل اللہ کو اپنے ایمان کے بقا و تحفظ کے حوالے سے فکر و توجہ ہمہ وقت دامن گیر رہتی تھی۔

اَلْعِبْرَةُ بِالْخَوَاتِيْم

اس کی وجہ یہ ہے کہ اعتبار خاتمے کا ہوا کرتا ہے، ایک انسان اپنے آخری وقت میں جس حالت پر ہوتا ہے، وہی دراصل اس کی زندگی کا خلاصہ اور نتیجہ سمجھا جائے گا۔

اور اسی کے ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے، کہ آخرت میں انسانوں کی ایک جماعت ان خوش نصیب لوگوں کی ہوگی، جن کو وہاں خوشی و سرخ روئی، عظمت و بلندی اور قرب و رضائے خداوندی ملے گی اور ان میں ایک طبقہ ان بدبختوں کا ہوگا، جن کو ذلت وخواری، غمی و روسیاہی اور عتاب و عذابِ خداوندی کا سامنا ہوگا۔

قرآنِ کریم میں ﴿سُوْرَةِ آلِ عِمْرَان﴾ میں فرمایا گیا ہے:

﴿ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ، فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

تَکْفُرُوْن ، وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ط هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

(جس روز بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، پھر جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، ان سے کہا جائے گا، کیا تم ہی ایمان چھوڑ کر کافر ہو گئے تھے؟ پس اپنے کفر کی پاداش میں اب عذاب چکھو اور جن کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔)

اور ﴿سُوْرَةِ عَبَسَ﴾ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِکَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾

(بہت سے چہرے اس روز چمکتے ہوئے، ہنستے ہوئے بشاش ہوں گے اور بہت سے چہروں پر اس روز سیاہی ہوگی، ان پر کدورت ہوگی، یہی لوگ تو ہیں کافر فاجر۔)

نیز ﴿سُوْرَةِ یُوْنُسَ﴾ میں فرمایا گیا کہ

﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَةٌ ط وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْن ۝ وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَةٍ بِمِثْلِهَا لا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ج کَاَنَّمَآ اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

(جو لوگ نیکی کرتے رہے، ان کے لیے بھلائی ہے اور اس کے علاوہ بھی، ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی نہ ذلت ہوگی، یہی لوگ جنتی

ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جن لوگوں نے برائیاں کی ہیں، تو برائی
کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے اور ایسے لوگوں کو ذلت گھیرے گی اور کوئی انھیں
اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا، گویا ان کے چہروں پر اندھیری
رات کے ٹکڑے لپیٹ دیے گئے ہیں، دوزخ والے یہی ہیں اور وہ اس
میں ہمیشہ رہیں گے۔)

ان سب آیات میں ذکر ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کی دو قسمیں ہوں گی: ایک وہ جو روسیاہ ہوں گے، ان پر ذلت وخواری چھائی ہوئی ہوگی اور وہ دوزخی ہوں گے اور دوسرے وہ جو سرخ رو، چمکتے دمکتے اور خوش وخرم ہوں گے، یہ اہل جنت ہوں گے۔ جب یہ صورتِ حال قیامت میں واقع ہونے والی ہے اور ہر مؤمن کا یہ یقین وعقیدہ ہے، تو اس کو چاہیے کہ وہ خود کو ان لوگوں میں شامل کرنے کی کوشش کرے، جنھیں سرخ روئی وفرحت وخوشی حاصل ہوگی اور جنھیں قرب خداوندی اور رضائے الٰہی کی عظیم دولت ملے گی۔

اور یہ بالکل ظاہر وواضح ہے کہ یہ عزت ورفعت، یہ سرخ روئی وعظمت ان لوگوں کا مقدر ہے، جن کا خاتمہ خیر پر ہوا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی قدر میں اس حال میں گئے ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش وراضی ہو؛ اس کے برعکس جن کا خاتمہ برائی پر ہوا ہو، انھیں اس دولت کے حاصل ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا؛ بل کہ ان کے حصے میں تو ذلت ورسوائی، ضیق وتنگی، نفرت وحقارت اور عتاب وعذاب آئے گا؛ لہٰذا ہر مؤمن کو خاتمہ بالخیر ہونے کی فکر میں ہمہ وقت لگا رہنا اور اس کے لیے ہمہ دم کوشش ومحنت کرتے رہنا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں کیا شک ہے کہ یہ مسئلہ بڑی فکرمندی اور دل سوزی کا ہے کہ "حسنِ خاتمہ" میسر آجائے۔

"العبرة بالخواتیم" پر چند احادیثِ نبویہ

چناں چہ متعدد احادیث میں ہمیں اپنے خاتمے کے بارے میں ڈرایا گیا ہے اور فکر پیدا

کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہاں اس سلسلے میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، وَ يُقَالُ لَهُ: اكْتُبْ عَمَلَهُ وَ رِزْقَهُ وَ أَجَلَهُ وَ شَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ، فَإِنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ لَيَعْمَلُ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْجَنَّةِ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ كِتَابُهُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَ يَعْمَلُ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّارِ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ. »(۱)

(تم میں سے ہر ایک کا نطفہ اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک بنایا جاتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں میں وہ خونِ بستہ بن جاتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں میں لوتھڑا بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو چار باتیں لکھنے کا حکم دے کر بھیجتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے، کہ اس کا عمل، رزق، عمر اور نیک بختی یا بد بختی لکھ دے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے، پس تم میں سے ایک شخص عمل کرتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پس اس پر اس کی تقدیر غالب آتی ہے اور وہ جہنم والوں کا عمل کرنے لگتا ہے اور ایک آدمی عمل کرتا ہے اور اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پس اس پر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ جنت والوں کا عمل کرنے لگتا ہے۔)

مسلم، ترمذی اور احمد کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ

(۱) صحيح البخاري:۳۲۰۸، صحيح مسلم:۲۸۹۳، سنن الترمذي:۲۱۳۷، مسند أحمد:۳۶۲۴، سنن البيهقي:۲۱۸۱۶

ایک آدمی اہلِ جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پس تقدیر اس پر غالب آتی اور اس کا خاتمہ اہلِ جہنم کے عمل پر کردیا جاتا ہے اور وہ جہنم میں داخل ہوجاتا ہے اور ایک شخص جہنم والوں کے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کے بہ قدر فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اس پر تقدیر غالب آتی اور اس کا خاتمہ اہلِ جنت کے سے عمل پر کردیا جاتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔

۲ - حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں شریک تھے کہ آپ ﷺ نے ایک اسلام کے مدعی کے بارے میں فرمایا کہ یہ دوزخی ہے۔ پس وہ شخص جنگ میں شریک ہوا، تو اس نے کفار سے شدید طور پر جنگ کی اور بہت زخمی ہوگیا۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے جس کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ دوزخی ہے، اس نے تو کفار سے زبردست طریقے پر مقابلہ کیا اور وہ بہت زخمی بھی ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لیکن وہ تو دوزخی ہے۔ پس بعض مسلمانوں کو اس کے بارے میں شک ہوگیا۔ اسی اثنا میں وہ زخموں کی شدت سے بڑا درد محسوس کرنے لگا اور اس نے اپنی ایک تیر نکالی اور خود کو اس سے بھونک لیا اور خودکشی کرلی۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہ رسول اللہ ﷺ کی جانب دوڑے اور جا کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا، اس شخص نے خود کو بھونک لیا اور خودکشی کرلی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بلال! کھڑے ہوکر اعلان کردو کہ جنت میں تو صرف مؤمن جائے گا اور اس دین کو اللہ تعالیٰ کبھی فاجر آدمی سے بھی تقویت دے دیتے ہیں۔(۱)

۳- حضرت عائشہ ﷝ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ. »

(اعمال کا اعتبار خاتمے کے لحاظ سے ہوتا ہے)(۲)

---

(۱) صحيح البخاري:٦٦٠٦، صحيح ابن حبان:٤٥١٩، سنن البيهقي:١٧٢٨٦

(۲) صحيح ابن حبان: ٣٤٠

۴-حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا، جو مشرکین سے جہاد کر رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی دوزخی کو دیکھنا چاہتا ہو، وہ اس کو دیکھ لے، یہ سن کر ایک صحابی اس شخص کے پیچھے پیچھے چلے اور وہ برابر اسی طرح لڑ رہا تھا، یہاں تک کہ وہ خوب زخمی ہو گیا اور مرنے کی کوشش کرنے لگا؛ لہٰذا اُپنی تلوار کی نوک اپنے سینے کے سامنے رکھ کر اس پر خود کو ڈال دیا، یہاں تک کہ تلوار کی دھار اس کے شانوں کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

« إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَ إِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ، و هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا. »(۱)

(بندہ لوگوں کی نظروں میں اہلِ جنت کے کام کرتا رہتا ہے؛ حالاں کہ وہ اہلِ دوزخ میں سے ہوتا ہے اور ایک شخص لوگوں کی نظروں میں اہلِ جہنم کے اعمال کرتا رہتا ہے؛ حالاں کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہوتا ہے اور اعمال کا اعتبار تو خاتمے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔)

کیا زندگی بھر کے اعمال بے کار ہیں؟

اِن اَحادیث میں جو مضمون وارد ہوا ہے، اس سے بہ ظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان اعمال کا کیا اعتبار ہے اور ان کے کرنے کی کیا ضرورت ہے، جب کہ جو لکھا ہے وہی ہو کر رہتا ہے؟ اور یہ کہ کیا یہ سارے اعمال بے کار ہیں؟

اس اشکال کے جواب میں دو باتیں عرض کی جاتی ہیں: ایک تو یہ کہ احادیث میں خود اس شبہے کا جواب حضرت نبی کریم ﷺ نے عطا فرمایا ہے۔ چناں چہ متعدد حضراتِ صحابہ سے یہ اشکال اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے پیش کرنا اور آپ کا جواب مرحمت فرمانا مذکور ہے،

(۱) صحيح البخاري:۶۴۹۳، مستخرج أبي عوانة:۱۱۰، المعجم الكبير للطبراني: ۵۶۵۲، الإيمان لابن منده:۶۴۷

جن صحابہ سے یہ سوال وجواب مروی ہے، ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوالدرداء، حضرت عمران بن حصین، حضرت ذی اللحیہ الکلابی، حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات ہیں اور ان کی روایات کتبِ احادیث میں مروی ہیں۔ یہاں چند روایات کا ذکر کرتا ہوں: چناں چہ حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے جنازے میں تھے اور کوئی چیز لے کر زمین کو کرید رہے تھے، پھر فرمایا کہ تم میں سے ہر آدمی کا ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں لکھ دیا گیا ہے۔ حضراتِ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسا کر کے عمل کو نہ چھوڑ دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

« اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ. »(۱)

(عمل کرتے رہو؛ کیوں کہ ہر ایک کو اسی عمل کی توفیق دی جاتی ہے، جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، جو شخص اہلِ سعادت میں سے ہے، اس کو اہلِ سعادت کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور جو اہلِ شقاوت میں سے ہے، اس کو اہلِ شقاوت کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے۔)

اس سلسلے میں ایک حدیث خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت نقل کی گئی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا اعمال کا دارومدار اس چیز پر ہے، جس سے فراغت ہو گئی ہے یا اس چیز پر ہے، جو آگے پیش آئے گی؟ (یعنی پہلے سے جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے، اس پر نجات یا عذاب کا مدار ہے یا جو ہم آگے کریں گے اس پر؟) اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بل کہ مدار تو اس تقدیر پر ہے،

(۱) صحيح البخاري: ۴۹۴۸، صحيح مسلم: ۶۹۰۳، سنن الترمذي: ۲۱۳۶، سنن ابن ماجه: ۷۸، مسند أحمد: ۶۲۱

جس سے فارغ ہوا جا چکا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ پھر عمل کس لیے ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ. »(۱)

(ہر ایک کو اسی کی توفیق دی جاتی ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔)

اسی طرح ایک روایت اس سلسلے میں خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم جو عمل کرتے ہیں، یہ کوئی نیا معاملہ ہوتا ہے یا اس تقدیر سے، جس سے فارغ ہو چکے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

«فِيمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، وَ كُلٌّ مُيَسَّرٌ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلسَّعَادَةِ، وَ أَمَّا مَنْ كَانَ من أَهْلِ الشَّقَاءِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلشَّقَاءِ.»(۲)

(اے خطاب کے بیٹے! یہ سب پہلے سے لکھا ہوا ہے اور اس سے فراغت حاصل کی جا چکی ہے اور ہر ایک کو اسی کی توفیق دی جاتی ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا جاتا ہے؛ لہٰذا جو نیک بخت ہیں، وہ نیک بختی کا عمل کریں گے اور جو بد بخت ہیں، وہ بد بختی کا عمل کریں گے۔)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جواب دیا، تو اس پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "فَفِيمَ العَمَل"؟ کہ پھر عمل کیوں کیا جائے؟ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

(۱) مسند أحمد:۱۹، مسند البزار:۲۸، المعجم الكبير للطبراني:۳۵

(۲) سنن الترمذي:۲۲۸۲، مسند أحمد:۱۹۶، مسند البزار:۱۲۱، مسند الطيالسي:۱۱

« يَا عُمَر! لاَ يُدْرَكُ ذَاكَ إلاَّ بِالعَمَل. »

(اے عمر! وہ تقدیر میں لکھا عمل ہی سے ملتا ہے) [تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ پھر تو ہم محنت کریں گے۔] (۱)

معروف صحابی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ پہلے سے معلوم و متعین ہیں؟ آپ نے کہا کہ ہاں! اُنھوں نے عرض کیا کہ پھر عمل کرنے والے کیوں عمل کرتے ہیں؟ آپ نے یہی فرمایا کہ

« كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَه. »

(ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے، جس کے لیے اس کو پیدا کیا جاتا ہے۔) (۲)

حضرت سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ اُنھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عمل کا مدار اس تقدیر پر ہے، جس کو لکھ کر قلم سوکھ چکا اور تقدیر جاری ہوگئی یا آئندہ پیش آنے والی بات پر مدار ہے؟ آپ نے فرمایا کہ

« بَلْ فِيمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ، وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ، وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ. » (۳)

(بل کہ عمل کا مدار اس تقدیر پر ہے، جس کو لکھ کر قلم سوکھ چکا اور تقدیر جاری ہوگئی اور ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔)

ان چند روایات سے یہ بات معلوم و ثابت ہوگئی کہ عمل بیکار نہیں ہے، لہٰذا عمل کو چھوڑنے کے بجائے اَور مضبوط پکڑنے کی کوشش کرنا چاہیے؛ کیوں کہ -جیسا کہ معلوم ہوا- یہ جو بھی لکھا ہوا ہے، اس کی تحصیل اسی عمل کے ذریعہ ہوگی اور ہر ایک کو اسی کام کی توفیق دی

(۱) صحيح ابن حبان:۱۰۸

(۲) صحيح مسلم:۶۹۰۷، سنن أبي داود:۴۷۱۱

(۳) سنن ابن ماجه:۹۱، مسند أحمد:۱۴۲۹۷، المعجم الكبير للطبراني:۶۴۶۴

جاتی ہے، جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اوپر پیش کردہ احادیث میں سے ایک حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ

« إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّمَا الأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا. »

کہ ایک شخص لوگوں کی نگاہوں میں جنتیوں کے عمل کرتا ہے، یا ایک شخص لوگوں کی نظروں میں اہلِ جہنم کے عمل کرتا رہتا ہے، اس میں اس اشکال کا جواب ہے۔ وہ اس طرح کہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ اعمال کا اچھا برا ہونا لوگوں کی نگاہوں کے لحاظ سے ہوتا ہے، جب کہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ کے یہاں معاملہ حقیقت کے لحاظ سے ہوتا ہے؛ لہٰذا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان کوئی کام اچھا کر رہا ہوتا ہے؛ لیکن اس میں کوئی فتور و قصور عند اللہ ہوتا ہے، جس پر لوگوں کو اطلاع نہیں ہوتی، مثلاً نیت میں خرابی یا کوئی اور باطنی برائی، جس کی وجہ سے وہ عمل عند اللہ برا ہوتا ہے اور فیصلہ اسی کے مطابق ہوتا ہے اور وہ سوئے خاتمے کا سبب بن جاتا ہے۔ اللهم احفظنا من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا۔

علامہ ابن رجب حنبلی ﷫ نے "جامع العلوم والحكم" میں اسی بات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ

" إشارةٌ إلى أنَّ باطنَ الأمر يكونُ بخلافِ ذلك، وإنَّ خاتمةَ السُّوءِ تكونُ بسبب دَسِيسةٍ باطنةٍ للعبد لا يَطَّلِعُ عليها النَّاسُ، إمّا مِنْ جِهَةِ عملٍ سيءٍ ونحوِ ذلك. فتلك الخَصْلَةُ الخَفِيَّةُ تُوجِبُ سُوءَ الخَاتِمَةِ عندَ المَوْت، وكذلك قد يَعْمَلُ الرجلُ عملَ أهلِ النَّار، وَ فِيْ بَاطِنِه خَصْلَةٌ

خَفِيَّةٌ من خِصَالِ الخير، فتغلبُ عَلَيه تلكَ الخَصْلةُ في آخِرِ عُمُرِه، فَتُوجِبُ له حُسْنَ الخاتمةِ."(۱)

(یہ جملہ اشارہ ہے، اس جانب کہ حقیقت اس ظاہری عمل کے خلاف ہوتی ہے اور سوئے خاتمے کا سبب بندے کی کوئی باطنی خرابی ہوتی ہے، جس پر لوگ واقف نہیں ہوتے، یا تو کسی برے عمل کے اعتبار سے یا کسی اور اس جیسی خرابی سے، پس وہی مخفی برائی موت کے وقت سوئے خاتمے کا سبب بن جاتی ہے، اسی طرح کوئی بندہ جہنمیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے؛ حالاں کہ اس کے باطن میں اچھی خصلتوں میں سے کوئی نیکی مخفی ہوتی ہے اور آخری عمر میں اس پر وہ غالب آتی اور حسن خاتمے کا سبب بن جاتی ہے۔)

الغرض احادیثِ نبویہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہر انسان کا معاملہ اس کی آخری اور انتہائی حالت کے مطابق کیا جاتا ہے؛ لہٰذا ہمیں عمل کو چھوڑنا نہیں؛ بل کہ اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ نیکی وطاعت کی جانب بڑھنے اور لپکنے کی ضرورت ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

(۱) جامع العلوم والحکم: ۵۷

فصل اول
شریعت میں حسنِ خاتمے کی تعلیم

اوپر کی تمہیدی گفتگو میں ایمان کی اہمیت و قیمت، اس کے بقا وتحفظ کی فکر کی ضرورت اور اس بات کا تفصیلی بیان گزرا کہ اعتبار انسان کے آخری وقت کا اور اس کے آخری اعمال کا ہوتا ہے۔

اب یہاں سے ہم حسنِ خاتمے کے سلسلے میں اسلامی تعلیم اور اکابر کے اقوال واحوال کی روشنی میں اس کی اہمیت کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں۔

حسنِ خاتمہ اور قرآنِ کریم

آیئے کہ ہم اس حوالے سے سب سے پہلے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس میں کیا کہا گیا ہے؟

ا - اس میں ﴿سُوْرَۃ آلِ عِمْرَان﴾ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرو؛ مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔)

اس آیتِ کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایک مؤمن کو موت آئے، تو وہ حالت اسلام

وایمان پر آئے ؛ لہٰذا موت جو کہ انسان کا آخری وقت ہے، وہ ایمان کی حالت میں ہونا چاہیے، اس سے معلوم ہوا کہ اس میں ''حسنِ خاتمے'' کی فکر کرنے کی تعلیم ہے؛ کیوں کہ اصل مقصود مرنے سے منع کرنا نہیں ہے کہ یہ انسان کے اختیار ہی میں نہیں ؛ بل کہ مقصود غیر حالتِ اسلام پر مرنے سے منع کرنا ہے اور جب غیر حالتِ اسلام پر مرنے سے منع کیا گیا، تو یہ بات لازم آئی کہ حالتِ اسلام پر رہنے کی تعلیم مقصود ہے۔

مفسر قرآن علامہ ابو حیان الاندلسی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں اس نکتے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"﴿وَلا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ظاهرُه النَّهيُ عن أن يَمُوتُوا إلَّا و هُمْ مُتلَبِّسُون بالإسلام. والمعنى: دُوْمُوا على الإسلام ؛ حتّٰى يُوافِيَكم الموتُ ، و أنتُمْ عليه ، و نظيرُه ما حكى سيبويه من قَولِهِمْ: لا أَرينك هٰهُنا، و إنّما المُرَادُ: لا تَكُنْ هنا فتكون رؤيتي لك."(۱)

(آیت کا یہ جملہ ﴿وَلا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ بہ ظاہر تو اس بات سے منع کرنے کے لیے ہے، کہ تم نہ مرو؛ مگر اس حال میں کہ اسلام سے آراستہ ہو؛ لیکن مقصود یہ ہے کہ اسلام پر قائم ودائم رہو؛ یہاں تک کہ تمھیں موت اس حال میں آئے کہ تم اسی پر قائم ہو، اس کی مثال وہ ہے، جو علامہ سیبویہ نے عرب لوگوں کے کلام سے نقل کی ہے کہ ''لا أرينك ههنا'' کہ میں تجھے یہاں نہ دیکھوں، اس سے تو یہ مراد ہے کہ تو یہاں نہ رہنا کہ میں تجھے دیکھوں۔)

لیکن یہاں یہ بھی سمجھتے چلیں کہ اللہ تعالیٰ نے خاتمہ علی الایمان کی تعلیم کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں، ان سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک مؤمن کو ہر وقت ایمان پر قائم

(۱) البحر المحيط: ۲۸٦/۳

رہنے کی کوشش کرنا چاہیے، اُسی وقت وہ اس میں کامیاب ہوسکتا ہے کہ اسے ایمان پر موت نصیب ہو؛ کیوں کہ جب ایک شخص زندگی بھر اسلام پر قائم اور اخلاص نیت کے ساتھ اسی پر دائم رہنے کے لیے کوشاں ہوگا، تو امید یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اسلام و ایمان ہی پر موت دیں گے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی آیتِ کریمہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ

"أي: حَافِظُوا عَلَى الإسْلامِ فِيْ حَالِ صِحَّتِكُم و سَلامَتِكُم؛ لِتَمُوتُوا عليه؛ فإنَّ الكريم قَد أجْرىٰ عَادتَه بِكَرَمِه أنَّه مَنْ عَاشَ عَلَى شَيءٍ مَاتَ عليه، و مَنْ مَاتَ على شَيْء بُعِثَ عليه." (۱)

(یعنی حالت صحت و سلامتی میں اسلام کی پابندی کرو؛ تاکہ تم اسلام ہی پر موت پاؤ؛ کیوں کہ اللہ کریم نے اپنے کرم سے اپنی یہ عادت و سنت جاری کی ہے، کہ جو جس طریقے پر جیتا ہے، اسی پر مرتا ہے اور جو جس طریقے پر مرتا ہے، اسی پر اس کو مبعوث کیا جاتا ہے۔)

مفسرِ قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

"رہا یہ معاملہ کہ آیت میں حکم یہ ہے کہ تمھاری موت اسلام ہی پر آنی چاہیے، اسلام کے سوا کسی حال پر موت نہ آنی چاہیے، تو یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ موت تو آدمی کے اختیار میں نہیں، کسی وقت کسی حال میں آسکتی ہے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ "كَمَا تَحْيَوْنَ تَمُوتُوْن، وَ كَمَا تَمُوتُوْن تُحْشَرُوْن." (یعنی جس حالت پر تم اپنی زندگی گزاروگے، اسی پر موت آئے گی اور جس حالت پر موت آئے گی، اسی حالت میں حشر

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۲/۸۷

میں کھڑے کیے جاؤگے) تو جو شخص اپنی پوری زندگی اسلام پر گزارنے کا پختہ عزم رکھتا ہے اور مقدور بھر اس پر عمل کرتا ہے، اس کی موت ان شاء اللہ اسلام ہی پر آئے گی۔"(۱)

الغرض اس آیت کریمہ سے یہ حکم دینا مقصود ہے کہ تم اسلام پر زندگی گزارو؛ تاکہ تم کو اسی حال میں موت آئے اور تمہارا ایمان اور خیر پر خاتمہ ہو۔

۲ - قرآنِ کریم میں ایک دوسری جگہ خاتمہ بالخیر کی جانب توجہ اس ضمن میں دلائی گئی ہے کہ پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اپنی امتوں کو یہی سبق دیا تھا کہ انجام بہ خیر ہونے کی فکر کی جائے۔ گویا یہ ایک مشترک حکم ہے، جس میں ساری قومیں اور ملتیں شامل ہیں۔

چناں چہ قرآنِ مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد یا اپنی ملت کو یہی وصیت کی تھی کہ تم حالت اسلام ہی پر قائم ودائم رہ کر اسی پر مرو۔

قرآن کریم میں ﴿سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃ﴾ میں ہے کہ

﴿ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. ﴾

(اور اس کی وصیت کی تھی، حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے اپنی اولاد کو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے دین کو پسند کرلیا ہے؛ لہٰذا تم نہ مرنا؛ مگر اسلام ہی کی حالت میں۔)

معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اور دیگر پیغمبران بھی لوگوں کو اسی کی تعلیم دیتے تھے کہ اپنے حسنِ خاتمہ کی فکر کرو اور اس کے لیے ممکنہ حد تک کوشش سے گریز نہ کرو، یہاں تک کہ تمھارا خاتمہ بالخیر ہو جائے۔

خاتمہ بالخیر اور احادیث

احادیث میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس بات کی جانب

---

(۱) معارف القرآن: ۲/۱۲۸

متوجہ کیا کہ مؤمن حالتِ ایمان کے ساتھ دنیا سے جائے اور اس کی کوشش ومحنت کرے۔

۱- حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ، فَلْتُدْرِكْهُ مَنِيَّتُهُ، وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، وَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ مَا يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ.»(۱)

(جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دوزخ سے بچالیا جائے اور جنت میں داخل ہو جائے، اس کو چاہیے کہ اس کو موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہو، جو خود کے لیے پسند کرتا ہو۔)

اس حدیث میں دو باتیں دوزخ سے بچنے اور جنت میں داخلے کے لیے بتائی گئی ہیں: ایک تو یہ کہ ایمان پر موت آئے اور دوسرے یہ کہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، یہاں تک کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے، وہی دوسروں کے لیے پسند کرے۔

۲- ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزامؓ نے فرمایا کہ

«بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَنْ لَّا أَخِرَّ إِلَّا قَائِماً.»(۲)

(میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی ہے کہ میں نہیں گروں گا؛ مگر کھڑے ہونے کی حالت میں۔)

اس حدیث کا ایک مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ اس میں نماز میں سجدے میں جانے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ سجدے میں اس طرح جانا چاہیے کہ نمازی کھڑا ہو کر سجدے کے لیے جھکے اور امام نسائی نے اسی لیے اس حدیث کو "باب کيف يخر للسجود" میں ذکر کیا

(۱) صحيح مسلم:۴۸۸۲، مسند أحمد:۶۸۰۷، السنن الكبرى للنسائي:۷۷۶۶، سنن البيهقي:۱۷۱۳۷، شعب الإيمان:۱۰۶۱۴، مسند أبي عوانة:۷۱۴۷

(۲) سنن النسائي:۱۰۸۴

ہے؛مگراس کا ایک مفہوم امام ابوعبید وغیرہ نے بیان کیا ہے، وہ یہ کہ "خرز" کے معنے مرنے کے ہیں اور قائم سے مراد ایمان اور حق پر قائم ہونا ہے؛لہٰذا اس جملے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ "لا أموت إلا ثابتاً علی الحق" (میں نہیں مروں گا؛مگراس حال میں کہ میں حق پر ثابت قدم رہوں) علامہ زمخشری نے "الفائق" میں اور علامہ ابن الجوزی نے "غریب الحدیث" میں یہی معنیٰ لکھا ہے۔(۱)

علامہ ابن کثیر نے بھی مذکورہ آیت کے تحت اس حدیث کو لکھا ہے،اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی گویا اسی معنے کی ترجیح کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔(۲)

۳- حضرت رسالت مآب ﷺ نے ایک موقع پر ایک طویل دعا فرمائی، اس میں ایک دعا یہ بھی فرمائی کہ

« اللَّهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ، وَأَحْيِنَا مُسْلِمِينَ، وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُونِينَ. » (۳)

(اے اللہ! ہمیں مسلمانی کی حالت میں وفات دے اور مسلمانی کی حالت میں زندگی عطا فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملحق فرما، اس حال میں کہ نہ تو ہمیں کوئی ذلت ہو اور نہ کسی قسم کے فتنے کا شکار ہوں۔)

حسنِ عاقبت کی فکر اسوۂ انبیا و اولیا

یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم اور سنتِ نبویہ کے بعد ہمارے لیے سب سے بڑا سرمایۂ ہدایت اگر کوئی چیز ہوسکتی ہے،تو وہ حضراتِ انبیائے عظام اور اولیائے کرام کا اسوۂ حسنہ ہے اور جو بھی ان حضرات کا اسوہ دیکھے گا، یا سنے گا اس پر یہ بات آشکارہ ہوجائے گی

(۱) الفائق في غريب الحديث:۳۶۱، غريب الحديث لابن الجوزي:۲/۲۷۱

(۲) تفسیر ابن کثیر:۲/۸۹

(۳) مسند أحمد:۱۵۵۳۱، السنن الكبرى للنسائي:۱۰۳۷۰، مستدرک حاکم: ۴۳۰۸، الأدب المفرد:۶۹۹، مسند البزار:۳۷۲۴، المعجم الكبير للطبراني:۴۴۱۹، الدعا للطبراني:۱۰۷۵، الدعوات الكبير للبيهقي:۱۷۳

کہ حسنِ عاقبت کی فکر کرنا اور دوسروں کو اس جانب متوجہ کرنا اور اس کے لیے دعا کا اہتمام حضراتِ انبیا علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ ہے اور یہ کہ وہ حضرات ہمیشہ اس کی فکر میں رہتے تھے اور اس کے لیے کوشاں بھی کہ انجام نیک ہو۔

حضرت ابراہیم ﷤ اور حضرت یعقوب ﷤ کا اسوہ

اوپر قرآنِ کریم کے حوالے سے یہ بات گزر گئی کہ حضراتِ انبیا علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے دین کو پسند کرلیا ہے، لہٰذا تم اسی پر قائم رہنا اور نہ مرنا؛ مگر اسلام ہی کی حالت میں۔

معلوم ہوا کہ خاتمہ بالخیر کی جانب لوگوں کو متوجہ کرنا اور ان میں اس کی فکر پیدا کرنا بھی انبیا کی سنت اور طریقہ ہے، اس سے خود ان کا اس سلسلے میں فکر مند ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسف ﷤ کا اسوہ

چناں چہ قرآنِ کریم میں ﴿سُوْرَۃ یُوْسُف﴾ کے اندر حضرت سیدنا یوسف ﷤ کی دعا ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے:

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ج فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ .﴾

(اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرے کارساز ہیں، پس مجھے موت بھی مسلمانی کی حالت میں عطا کیجیے اور نیک لوگوں میں مجھ کو شامل کیجیے۔)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ﷫ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ

''اس دعا میں حسنِ خاتمہ کی دعا خاص طور پر قابلِ نظر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا رنگ یہ ہوتا ہے کہ کتنے ہی درجاتِ عالیہ دنیا اور آخرت کے ان کو نصیب ہوں اور کتنے ہی جاہ و منصب ان کے قدموں میں ہوں، وہ کسی وقت ان پر مغرور نہیں ہوتے؛ بل کہ ہر وقت اس کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ حالات سلب یا کم نہ ہو جائیں، اس کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ظاہری و باطنی نعمتیں موت تک برقرار رہیں؛ بل کہ ان میں اضافہ ہوتا رہے۔''(۱)

حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا حال

حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے بارے میں روایت ہے کہ

''ان کے چھوٹے بچے ان کے بدن پر پسلیوں پر سے چڑھتے اترتے تھے؛ مگر حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سر جھکائے خاموش رہتے، نہ سر اٹھاتے اور نہ ان کو کچھ کہتے تھے۔ آپ کے ایک بیٹے نے کہا کہ ابا جی! کیا آپ ان کو دیکھ نہیں رہے ہیں کہ یہ آپ کے اوپر کس طرح چڑھ رہے اور اتر رہے ہیں؟ آپ ان کو کیوں کچھ نہیں کہتے؟ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ بیٹا! میں وہ چیز دیکھتا ہوں، جو تم نہیں دیکھتے اور وہ بات جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔ میں نے ایک دفعہ ایک حرکت کی، تو اس کی وجہ سے مقامِ کرامت سے مجھے مقامِ ذلت میں اور دارِ نعیم سے دارِ شقا میں اتار دیا گیا۔ اب میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کچھ حرکت کروں، تو کوئی ایسی بات پیش نہ آ جائے، جو میں نہیں جانتا۔(۲)

(۱) معارف القرآن: ۵/۱۳۷

(۲) إحياء العلوم: ۴/۳۴۶

حضراتِ انبیا اور خوفِ خاتمہ

ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ کے ایک پیغمبر نے اللہ تعالیٰ سے بھوک کی اور کپڑے نہ ہونے کی شکایت کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی اور اس میں فرمایا کہ اے بندے! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں نے تمھارے دل کو کفر سے بچایا ہے؛ یہاں تک کہ تم مجھ سے دنیا مانگتے ہو؟ اس پر اُن پیغمبر نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! میں بے شک راضی ہوں، پس آپ مجھے کفر سے بچالیجیے۔ (۱)

حضراتِ ملائکہ اور فکرِ انجام

علامہ شمس الدین السفیری رحمہ اللہ شارحِ بخاری نے نقل کیا ہے کہ

''جب ابلیسِ لعین نے اللہ کی مخالفت کی اور وہ اللہ سے قربت وعبادت کا مقام پانے کے بعد بارگاہِ ایزدی سے دور کر دیا گیا، تو حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام رونے لگے۔ اللہ نے ان سے پوچھا کہ تم دونوں اس قدر کیوں روتے ہو، جب کہ میں تو کسی پر ظلم نہیں کرتا؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! ہم آپ کے مکر سے بے خوف نہیں، یعنی ہم اس بات سے بے خوف نہیں کہ آپ قرب کے بعد بُعد کا فیصلہ کر دیں اور سعادت کے بعد شقاوت کا فیصلہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں! تمھیں اسی طرح رہنا چاہیے کہ میرے مکر سے بے خوف نہ ہوں۔'' (۲)

امام الانبیا حضرت محمد ﷺ کا اسوہ

اسی طرح ہمارے آقا حضرت رسالت مآب ﷺ کے اسوے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو انجام کی کس قدر فکر دامن گیر رہتی تھی، حتی کہ جیسا اوپر گزرا۔ آپ نے ایک موقع پر ایک طویل دعا فرمائی، اس میں ایک دعا یہ بھی فرمائی کہ

(۱) الزواجر عن اقتراف الكبائر:۵۱، شرح البخاري للسفيري:۱۴/۱۷

(۲) شرح البخاري للسفيري:۱۴/۱۶

« اللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ، وَ أَحْيِنَا مُسْلِمِينَ، وَ أَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَزَايَا وَلاَ مَفْتُونِينَ . »

(اے اللہ! ہمیں مسلمانی کی حالت میں وفات دے اور مسلمانی کی حالت میں زندگی عطا فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملحق فرما، اس حال میں کہ نہ تو ہمیں کوئی ذلت ہو اور نہ کسی قسم کے فتنے کا شکار ہوں۔)

نیز متعدد حضراتِ صحابہ ﷺ نے شہادت دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر و بیشتر ثابت قلبی کی دعا کیا کرتے تھے۔

۲-حضرت انس بن مالک ﷺ سے مروی ہے کہ

« كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ: اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! تَخَافُ عَلَيْنَا وَ قَدْ آمَنَّا بِكَ، وَ صَدَّقْنَاكَ بِمَا جِئْتَ بِهِ، فَقَالَ: إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ يُقَلِّبُهَا. »(۱)

(رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میرے دل کو دین پر جما دیجیے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین و شریعت پر ایمان لائے ہیں، کیا آپ ہم پر کسی بات کا خوف و اندیشہ کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! بلا شبہ دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، ان کو الٹ پلٹ کرتا ہے۔)

۳-زوجۂ مطہرہ حضرت ام سلمہ ﷺ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے کہ "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ" (دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے! میرے دل کو آپ کے دین پر جما دیجیے) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

(۱) الترمذي: ۲۱۴۰، ابن ماجه: ۳۸۳۴، أحمد: ۱۲۱۲۸، مسند البزار: ۷۵۰۸

آپ یہ دعا کثرت سے کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

« يَا أُمَّ سَلَمَةَ إِنَّهُ لَيْسَ آدَمِيٌّ إِلَّا وَقَلْبُهُ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ فَمَنْ شَاءَ أَقَامَ وَمَنْ شَاءَ أَزَاغَ . »

(اے ام سلمہ! کوئی بھی آدمی ہو، اس کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے، پس جس کو چاہیں گے، اس کو دین پر قائم رکھیں گے اور جس کو چاہیں گے اس کو گم راہ کر دیں گے۔)(۱)

۳- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح کی حدیث آئی ہے کہ جب اُنھوں نے آپ ﷺ سے اس دعا کو کثرت سے پڑھنے کا سبب پوچھا، تو آپ نے یہی بات جواب میں ارشاد فرمائی۔(۲)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ

« وَمَا يُؤْمِنُنِي وَقُلُوبُ الْعِبَادِ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ ، إِذَا أَرَادَ أَنْ يُقَلِّبَ قَلْبَ عَبْدٍ قَلَّبَهُ وَ قَلَّبَ الْوُسْطٰى وَ السَّبَّابَةَ . » (۳)

(اے عائشہ! میں کیسے مطمئن ہو سکتا ہوں! جب کہ بندوں کے قلوب تو اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتے ہیں، جب وہ کسی بندے کے دل کو پلٹ دینا چاہے گا، تو اس کو پلٹ دے گا، آپ ﷺ نے یہ کہتے ہوئے اپنی بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کو پلٹ کر دکھایا۔)

غور کیجیے کہ ان احادیثِ نبویہ نے ہمارے سامنے ہمارے آقا حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ اسوۂ حسنہ پیش کر دیا ہے کہ آپ ﷺ خاتمے کی فکر کرتے تھے، اس کے لیے تیاری کا

---

(۱) سنن الترمذي:۳۵۲۲، مسند أحمد:۲۶۷۲۱، مسند الطيالسي:۱۷۱۳

(۲) السنن الكبرى النسائي:۷۶۹۰، مسند أحمد:۲۶۱۷۶

(۳) مسند أحمد:۲۶۱۷۶، مسند أبي يعلى:۴۶۶۹، اعتلال القلوب للخرائطي:۱۲

درس دیتے تھے اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعائیں کیا کرتے تھے اور یہ عمل کبھی کبھی نہیں؛ بل کہ بڑی کثرت کے ساتھ یہ عمل کیا کرتے تھے؛ حالاں کہ آپ پر کوئی خدشہ وخطرہ نہیں تھا، آپ بخشے بخشائے ہوئے تھے۔

حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والوں کا حال

اسی طرح قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں مذکور ہے کہ جب وہ فرعون کے پاس اللہ کا پیغام لے کر گئے، تو اس لعین نے آپ کو جادوگر قرار دے کر آپ کے مقابلے کے لیے جادوگروں کو بلایا اور ان سے آپ کا مقابلہ کرایا۔ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالت شان اور ان کا عظیم معجزہ دیکھا، تو وہ سب کے سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے اور جب فرعون نے ان کو دھمکی دی کہ وہ انھیں سولی پر چڑھا دے گا اور ہاتھ پاؤں کاٹ دے گا، تو ان جادوگروں نے اس کو جواب دیا کہ کیا تو ہمیں اس لیے تکلیف دیتا ہے کہ اللہ کی نشانیاں دیکھ کر ہم ایمان لے آئیں؟ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ”پروردگار! ہمیں صبر عطا فرما اور ہمیں مسلمانی کی حالت میں وفات عطا فرما۔“

قرآنِ کریم میں سورۃ الاعراف میں ان لوگوں کی اس دعا کو بہ طور خاص ذکر کیا گیا ہے کہ

﴿ رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ﴾

(اے پروردگار! ہمیں صبر عطا کر اور ہمیں اسلام کی حالت پر موت عطا فرما۔)

ان حضرات کی اس دعا کو بہ طور خاص ذکر کرنے سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی یہ بات کس قدر اہم تھی کہ اس کا قرآنِ کریم میں ذکر کرنا مناسب سمجھا۔ لہٰذا اس سے اشارہ ہے کہ اولیاء اللہ اور نیک لوگوں کا طریقہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسنِ انجام کے لیے درخواست کرتے رہتے ہیں اور جیسا کہ اوپر گزرا حضراتِ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کا یہی اسوہ ہے؛ لہٰذا ہمیں بھی اس کی اتباع میں ہمہ وقت اس سلسلے میں فکر

مندر رہنا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال

جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا گیا اور آپ شدید زخمی ہوئے اور اسی میں آپ کا انتقال ہوا، تو اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کے کارناموں اور اسلام کے لیے آپ کی خدمات کا ذکر کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

''مغرور تو وہ ہے، جس کو تم لوگ دھوکے میں مبتلا کر رہے ہو۔''

پھر فرمایا کہ اگر میرے پاس وہ سب کچھ ہوتا، جس پر سورج طلوع ہوا ہے، تو وہ سب میں قیامت کے دن کی ہولناکی کے بدلے فدیہ دے دیتا۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا حال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کہ اجلۂ صحابہ میں سے ہیں اور ان کے بڑے مناقب احادیث میں وارد ہوئے ہیں، جب ان کی وفات کا وقت آیا تو آپ بیمار ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کی عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ کو کیا شکایت ہے؟ فرمایا کہ میرے گناہوں کا شکوہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا کہ میرے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ کیا کوئی طبیب بھیج دوں؟ تو کہا کہ میرے طبیب ہی نے مجھے بیمار کیا ہے۔(۲)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا خوف

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنی بیوی ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اپنے سے چمٹایا اور پھر فرمایا کہ اے ام الدرداء! تم دیکھ رہی ہو کہ مجھ پر موت طاری ہو رہی ہے اور خدا کی قسم! مجھ پر ایک ایسی شدید چیز پیش آئی ہے کہ کبھی اس سے زیادہ سخت چیز نہیں پیش آئی تھی، اگر اللہ کے نزدیک یہ میرے لیے خیر ہے، تو اس کے بعد کے تمام احوال میرے

(۱) وصايا العلماء للإمام الربعي:۳۸

(۲) سير أعلام النبلاء:۱/۴۹۸

لیے آسان ہیں اور اگر بات اس کے برعکس ہے، تو خدا کی قسم! یہ موت کی سختی، بعد کے احوال کے مقابلے میں بس اتنی ہے، جیسے اونٹنی کے دودھ دوہنے کی تکلیف۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگے اور فرمایا کہ اے ام الدرداء! اس جیسے پچھڑنے کے وقت کے لیے عمل کی تیاری کرو! اے ام الدرداء! اس وقت کے لیے عمل کرنا! پھر اپنے صاحبزادے بلال کو بلا کر بھی اسی طرح کی نصیحت کی اور روح قبض ہوگئی۔ (۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا خوف اور بکا

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے تین باتوں کی وجہ سے رونا آتا ہے: ایک تو اس وجہ سے کہ دوستوں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ) سے جدائی ہوگئی، دوسرے اس وجہ سے کہ سکراتِ موت کے وقت ہول و پریشانی ہوگی اور تیسرے اس لیے کہ اللہ رب العالمین کے سامنے اس وقت کھڑا ہونا ہے؛ جب کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے جنت میں لے جایا جائے گا یا جہنم میں۔ (۲)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گریہ و بکا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا وقتِ وصال جب قریب ہوا، تو وہ رو رہے تھے۔ پوچھا گیا کہ کیوں رو رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ میں اس لیے نہیں رو رہا ہوں کہ موت آ گئی اور اس لیے بھی نہیں کہ میں دنیا چھوڑ کر جا رہا ہوں؛ لیکن اس لیے کہ دو مٹھیاں ہیں: ایک مٹھی جنت کی اور ایک دوزخ کی اور میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں۔ (۳)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا حال

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت آپ نے گھر والوں سے کہا کہ مجھے صحن میں لے جاؤ؛ تاکہ میں آسمان کو دیکھوں۔ جب آپ کو صحن میں لوگ اٹھا کر لائے، تو آپ

(۱) المحتضرین لابن أبي الدنیا:۱۶۴

(۲) الزهد للامام أحمد:۱۵۳، الزهد لابن المبارک:۲۴۹، حلیة الأولیاء :۱/۲۰۷، الترغیب و الترهیب للأصبهاني:۱۶۷

(۳) المحتضرین لابن أبي الدنیا:۲۶۸

نے آسمان کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا کہ اے اللہ! میں آپ کے نزدیک اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہوں؛ کیوں کہ یہ میرے نزدیک سب سے زیادہ عزیز ہے۔(۱)

ایک صحابی: ابوعبداللہ ﷺ کا تذکرہ

ایک صحابی حضرت ابوعبداللہ ﷺ نام کے گزرے ہیں، جب وہ بیمار ہوئے، تو کچھ لوگ ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے، دیکھا کہ وہ صحابی رو رہے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ اپنی مونچھیں تراش لو اور اسی پر قائم رہو، یہاں تک کہ مجھ سے قیامت میں مل لو؟ (یعنی اس میں آپ کو بشارت ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کریں گے اور خاتمہ ایمان پر ہوگا) ان صحابی نے فرمایا کہ ہاں! یہ بات تو ہے، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی سنا ہے کہ

«إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى قَبَضَ قَبْضَةً بِيَمِينِهِ، وَ قَالَ: هٰذِهِ لِهٰذِهِ، وَ لاَ أُبَالِي وَقَبَضَ قَبْضَةً أُخْرَى بِيَدِهِ الْأُخْرَى، فَقَالَ: هٰذِهِ لِهٰذِهِ، وَ لاَ أُبَالِي فَلاَ أَدْرِي فِي أَيِّ الْقَبْضَتَيْنِ أَنَا.» (۲)

اللہ تعالیٰ نے ایک مٹھی اپنے داہنے ہاتھ سے لی اور دوسری مٹھی دوسرے ہاتھ سے لی اور فرمایا کہ یہ مٹھی اس (جنت) کے لیے ہے اور یہ مٹھی (دوزخ) کے لیے ہے اور میں کوئی پرواہ نہیں کرتا، پس میں نہیں جانتا کہ میں اللہ کی کس مٹھی میں تھا۔

حضرت سفیان ثوری ﷫ کا حال

ایک بار حضرت سفیان ثوری ﷫ کو دیکھا گیا کہ پوری رات صبح تک روتے رہے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ گناہوں کے خوف سے رو رہے ہیں؟ انھوں نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ گناہ تو میرے نزدیک اس تنکے سے زیادہ ہلکے ہیں، میں تو سوئے خاتمے کے خوف سے رو رہا ہوں۔ پھر خود سفیان ثوری بھی اور جو دوسرے لوگ تھے، وہ بھی رونے لگے۔ (۳)

(۱) البداية و النهاية: ۴۷/۸

(۲) مسند أحمد: ۱۷۶۲۹، الجامع المسند: ۱۲۸۴۸، مجمع الزوائد: ۱۱۷۷/۸، إسناده صحيح.

(۳) العاقبة في ذكر الموت: ۱۷۵

محدث عمرو بن قیس الملائی رحمۃ اللہ علیہ کا حال

حضرت امام عمرو بن قیس الملائی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم محدث گزرے ہیں، جن کی تعریف حضراتِ ائمہ نے کی ہے۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا، تو وہ رونے لگے، ان کے اصحاب نے کہا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا اس لیے رو رہے ہیں کہ دنیا جا رہی ہے، جب کہ آپ نے تو دنیا میں کوئی عیش وعشرت ہی نہیں کیا؟ یعنی یہ کہ اس کی وجہ سے تو آپ کو کوئی غم نہ ہوگا، پھر کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ''إنَّمَا أبْكِي خَوْفاً أن أحْرُمَ مِنَ الآخِرَة'' (میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ کہیں آخرت میں محروم ہو جاؤں۔)(۱)

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بڑے اولیاء اللہ اور صوفیا میں سے ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ نماز کے لیے وضو کرتے، تو ان کے ہاتھ پیر اور پورے جسم میں زلزلہ سا برپا ہو جاتا، وہ کانپنے لگتے؛ یہاں تک کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور تکبیرِ تحریمہ کہتے تو کچھ قرار آتا۔ اس بارے میں ان سے پوچھا گیا کہ وضو کے وقت آپ کی یہ حالت کیوں ہوتی ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

''أخاف أن تُدْرِكَنِيَ الشَّقَاوَةُ ،فَأخْطِي إلٰى كَنَائِسِ اليَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى وَبِيَعِهِمْ.''

(مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں مجھے بدبختی نہ گھیر لے اور میں بجائے مسجد کے یہود ونصاریٰ کی عبادت گاہوں کی طرف نہ چل پڑوں۔)(۲)

---

(۱) تاریخ بغداد:۱۲/۱۶۵

(۲) شرح البخاري للسفيري:۱۵/۴۱

فکرِ انجام اور اقوالِ اکابر

اسوۂ انبیا اور احوالِ اولیا کے بعد اس حوالے سے اکابرینِ امت کے اقوال بھی ہمارے لیے سامانِ ہدایت ہوا کرتے ہیں؛ لہٰذا خاتمہ بالخیر کے سلسلے میں ایک مؤمن کو جو فکر لاحق ہونا چاہیے، اس جانب توجہ دلاتے ہوئے اکابر و اسلاف نے جو کہا ہے، اس میں سے بعض اقوال یہاں نقل کرتا ہوں، جن سے اس حوالے سے ان کی فکر مندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت منصور بن عمار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

”جب انسان کی موت قریب ہوتی ہے، تو اس کا حال پانچ حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے:

(۱) اس کا مال اس کے وارث کو مل جاتا ہے۔

(۲) اس کی روح ملک الموت لے جاتا ہے۔

(۳) اس کا جسم اور گوشت پوست قبر کے کیڑوں مکوڑوں کا حصہ بن جاتا ہے۔

(۴) اس کی ہڈیاں مٹی میں گل جاتی ہیں۔

(۵) اور اس کی نیکیاں اس کے حریف لوگ (جن کا حق اس نے مارا تھا) وہ لے جائیں گے۔

پھر انھوں نے کہا کہ اے کاش! موت کے وقت اس کا ایمان شیطان نہ اچک لے جائے۔(۱)

ایک بزرگ کا قول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ

”لا تکُفَّ دَمْعَکَ حتّٰی تَریٰ فِي الْمَعَادِ رَبْعَکَ.“(۲)

---

(۱) شرح بخاري للسفيري: ۱۴/۱۵

(۲) العاقبة في ذكر الموت: ۱۷۶

(اپنے آنسو اس وقت تک نہ پونچھنا؛ جب تک کہ آخرت میں اپنی خوش حالی نہ دیکھ لو۔)

ایک اور اللہ والے کا قول ہے کہ

”لاَ تَکْحَلْ عَیْنَکَ بِنَوْمٍ ؛ حَتّٰی تَرٰی حَالَکَ بَعْدَ الْیَوْمِ.“(۱)

(اپنی آنکھ کو نیند کا سرمہ نہ لگا؛ جب تک کہ آج کے بعد قیامت کے دن میں اپنا حال نہ دیکھ لے۔)

اور سنتے چلیے کہ بعض سلف نے کہا کہ

”لاَ تَبِتْ وَ أَنْتَ مَسْرُوْرٌ؛ حَتّٰی تَعْلَمَ عَاقِبَةَ الأُمُوْرِ.“(۲)

(خوش وخرم ہو کر رات نہ گزارنا، جب تک کہ انجام کار معلوم نہ ہو جائے۔)

کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ

” لاَ یَخْصَبُ لَکَ الجَنَاب، وَ لاَ تَأنِسُ بِکعَابٍ؛ حَتّٰی تَرٰی مَا خُطَّ لَکَ فِيْ أُمِّ الکِتَاب، وَ تَسْتَبِیْنَ العَاقِبَةُ وَ المَآبُ.“(۳)

(تجھے کوئی خوشی وفرحت نہیں مل سکتی اور تو کوئی عزت ومرتبہ نہیں پا سکتا جب تک کہ تو یہ دیکھ لے کہ تقدیر میں تیرے حق میں کیا لکھا گیا ہے اور عاقبت اور انجام کیا ظاہر ہو۔)

ان تمام اقوالِ اکابر سے جو بات ظاہر ومفہوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان اکابر کے نزدیک انسان کے انجام اور خاتمے کا مسئلہ نہایت اہم وقابلِ فکر وتوجہ تھا؛ اس لیے وہ خود بھی اس جانب متوجہ رہتے تھے اور دیگر لوگوں کو بھی اپنے ان نصائح ومواعظ اور ارشادات وتنبیہات سے اس جانب متوجہ کرنا چاہتے تھے، لہٰذا ان کی زبان اور قلم سے یہ اقوال ظاہر ہوئے۔

(۱) العاقبة في ذكر الموت:۱۷۶

(۲) العاقبة في ذكر الموت:۱۷۶

(۳) العاقبة في ذكر الموت:۱۷۶

فصل دوم

موت کی نازک گھڑی میں
انسان اور شیطان کی آپسی کشمکش

انسان کے لیے اس کی زندگی کا سب سے زیادہ سخت اور کٹھن وقت وہ ہوتا ہے، جب وہ اس دارِ فانی سے کوچ کر کے دارِ بقا کی جانب چلتا ہے اور اس کی پوری زندگی کا خلاصہ ونتیجہ اسی وقت ظاہر ہوتا ہے۔

یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ اس کے بعد اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور اس کی اچھائی و برائی کے دونوں سلسلے اختتام پذیر ہو جاتے ہیں اور اس کے اعمال کے سارے دفاتر لپیٹ دیے جاتے ہیں؛ اس لیے یہ وقت ایک مؤمن کے لیے اگر بڑا اہم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کو صحیح سلامت بچا کر لے جائے، تو دوسری جانب یہ وقت شیطان کے لیے بھی انسان کو گم راہ کرنے اور اس کو بے ایمان بنانے کی کوشش کا آخری وحتمی وقت ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ اس کے پنجے سے نکل جاتا اور آزاد ہو جاتا ہے؛ لہٰذا شیطان اس وقت اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انسان کو بے ایمان بنانے کی کوشش اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اپنی پوری ذریت کو ساتھ لے کر کرنے پر تل جاتا ہے اور کوئی دقیقہ اس سلسلے میں فروگزاشت نہیں کرتا۔ اس وجہ سے یہ وقت انسان مؤمن کے لیے بڑی کشمکش کا ہوتا ہے۔

یہاں اب اس سلسلے میں چند ضروری اور اہم امور کا پیش کرنا مقصود ہے، جن سے اس نازک ترین وقت میں پیش آنے والے احوال کا ذکر اور شیطانِ لعین کی جانب سے ہونے والی گم راہ کن چال بازیوں کا تذکرہ ہوگا۔

موت کے وقت انسان کا حالِ زار

سب سے پہلے یہ دیکھیے کہ انسان پر موت کے وقت نہایت سختی پیش آتی ہے اور وہ سکرات وغمرات کے عالم میں نہایت بے چین ہوجاتا ہے۔ موت کی سختی کا عالم کیا ہوتا ہے؟ اس کا اندازہ حضرت سفیان ثوری ﷫ کے اس قول سے لگائیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ملک الموت جب بندے کی شہ رگ دباتے ہیں، تو اس کی عقل وہوش منقطع ہوجاتے ہیں اور بات چیت بند ہوجاتی ہے اور آدمی دنیا ومافیہا کو بھول جاتا ہے، اگر اسے موت کی سختی کی وجہ سے یہ کیفیت نہ ہوتی، تو وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کو اس پریشانی کی وجہ سے تلوار سے قتل کردیتا۔(۱)

علامہ غزالی ﷫ نے ''إحياء العلوم'' میں اور علامہ عبدالحق اشبیلی ﷫ نے ''العاقبة في ذكر الموت'' میں لکھا ہے کہ:

بعض عارفینِ حق نے فرمایا ہے کہ جب انسان کے سامنے ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام ظاہر ہوتے ہیں، تو وہ مرنے والے کو یہ بتادیتے ہیں کہ بس تیری عمر میں سے ایک گھڑی باقی ہے اور اس میں کوئی ایک پلک جھپکنے کی دیر بھی تاخیر اور ڈھیل نہیں ہوسکتی۔ پس بندے پر اس وقت میں اتنا اور ایسا افسوس اور حسرت چھاجاتی ہے کہ اگر اس کے پاس دنیا اپنے تمام گوشوں کے ساتھ موجود ہو، تو اس کو بھی دے کر اپنی زندگی میں ایک گھڑی بڑھالینے کی کوشش کرے گا؛ تاکہ اس میں وہ توبہ واستغفار کرکے اپنی کوتاہیوں کا تدارک کرلے؛ مگر بے سود ہوگا، وہ ملک الموت سے عرض کرے گا کہ اس کو ایک دن یا کم از کم ایک گھڑی مہلت دی جائے۔ ملک الموت اس کو جواب دیں گے کہ تیرے ایام اور تیری گھڑیاں ختم ہوچکی ہیں، پھر اس پر توبہ کا دروازہ بند کردیا جائے گا اور اس کی روح حلق میں غرغر کرے گی اور وہ مایوسی میں مبتلا ہوجائے گا اور اس کا ایمان بھی متزلزل ہوجائے گا۔ پس اگر اس کی نصیب میں

(۱) المجالسة و جواهر العلم للدينوري: ۳/۳۰۲

حسنِ انجام ہوگا، تو اللہ اس کو ایمان پر موت دیں گے اور اگر اس کی نصیب میں سوئے انجام ہے، تو کفر پر موت ہو جائے گی۔ اللھم احفظنا من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا۔(۱)

موت کے وقت شیطانِ لعین کے انسان پر حملے

خاتمے کا مسئلہ پریشان کن اور قابلِ حیرت اس لیے بھی ہو جاتا ہے کہ موت کے وقت شیطانِ لعین کی جانب سے بڑی کوشش اس بات کی ہوتی ہے کہ مؤمن کو بے ایمان بنا کر دنیا سے رخصت کرے اور وہ ایمان اور خیر کے بجائے کفر اور شرک پر مرے اور اس کی عاقبت وانجام برا ہو جائے۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''مرنے والے کے سامنے شیطان آ کر اس کے دین و دنیا؛ دونوں کے لحاظ سے اس کو تکلیف دیتا ہے۔ پھر ایک حدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔ ابلیس ابن آدم پر سب سے زیادہ سخت موت کے وقت ہوتا ہے، وہ اپنے مددگار شیطانوں سے کہتا ہے کہ ''دُوْنَكُمُوْه ، فَإِنَّه إِنْ فَاتَكُمُ اليَوْمَ لَمْ تَلْحَقُوْه۔'' (اس کو کسی طرح گھیر لو؛ کیوں کہ آج اگر تم سے چھوٹ گیا؛ تو پھر تم اس کو نہ پا سکو گے) پس کبھی وہ انسان پر مسلط ہو جاتا ہے اور اس کے ایمان وعقیدے میں اس کو گمراہ کرتا ہے اور بسا اوقات برائی سے نکلنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ''تجھ پر تو سکراتِ موت طاری ہیں، جن کی پہاڑ بھی طاقت نہیں رکھتے اور نزع کی سخت حالت طاری ہے اور تیرا رب تو تجھ پر نرمی کرتا تھا، تو اب اس مصیبت میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟ اور تو تیری

(۱) إحياء العلوم:۱۴/۴، العاقبة في ذكر الموت:۱۱

محبوب چیزوں سے جدا ہو جائے گا اور تیرا یہ بدن تو گل سڑ جائے گا، پھر کیا معلوم کہ کہاں تیرا ٹھکانہ ہوگا''؛ پس ان وساوس کی وجہ سے آدمی پریشانی میں پڑ جاتا ہے اور بسا اوقات اللہ کی تقدیر پر اسے اعتراض پیدا ہو جاتا ہے۔''(۱)

امام غزالی ﷫ نے ''الدُّرَّۃُ الفَاخِرَۃُ فِي کَشْفِ أحْوَالِ الآخِرَۃ'' میں اور امام قرطبی نے ''التَّذْکِرَۃُ فِي أحْوَالِ المَوتٰی و أمُوْرِ الآخِرَۃ'' میں نقل کیا ہے کہ

''جب بندہ مرنے کے حال میں ہوتا ہے، تو اس کے پاس دو شیطان آکر بیٹھ جاتے ہیں، ایک اس کے داہنی جانب اور دوسرا بائیں جانب اور داہنی جانب والا شیطان، اس کے باپ کی شکل پر اور دوسرا شیطان ماں کی صورت پر ہوتا ہے اور داہنی جانب کا شیطان باپ کی طرح اس سے کہتا ہے کہ بیٹا! میں تو تیرے اوپر بڑا شفیق و مہربان تھا اور تجھ سے محبت کرتا تھا، لہٰذا تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ عیسائی دین پر مرنا؛ کیوں کہ وہی سب سے بہتر دین ہے اور دوسری جانب کا شیطان ماں کی طرح اس سے کہتا ہے کہ بیٹا! میرا پیٹ تیرا ٹھکانا تھا اور میری چھاتی تیرے لیے مشکیزے کی طرح دودھ کا برتن تھی اور میری رانیں تیرے لیے نرم بستر تھیں؛ لیکن اب میں تجھ سے کہتی ہوں کہ تو یہودیوں کے دین پر مرنا؛ کیوں کہ وہی سب سے بہترین دین ہے۔''(۲)

امام قرطبی ﷫ لکھتے ہیں کہ

''جب مرنے والے کے حلق میں روح اٹکتی ہے، تو اس وقت اس پر فتنے پیش آتے ہیں اور وہ یہ کہ ابلیس اپنے مددگاروں کو اس کے پیچھے لگا دیتا ہے اور وہ اس حال میں اس کے پاس آتے ہیں اور اس کے مرحوم قریبی

---

(۱) الثبات عند الممات: ۵۷

(۲) الدرۃ الفاخرۃ مندرجہ رسائل الغزالي: ۵۵۱-۵۵۰، التذکرۃ للقرطبي: ۱۸۵

رشتہ داروں: جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن، دوست واحباب، وغیرہ میں سے جو دنیا میں اس کے ساتھ خیر خواہی کرتے تھے، ان کی صورت میں ظاہر ہو کر کہتے ہیں کہ اے فلاں! تو اب مر رہا ہے اور ہم تو تجھ سے پہلے دنیا سے جا چکے ہیں؛ لہٰذا تو یہودی ہو کر مرنا؛ کیوں کہ وہی دین اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہے۔ اگر وہ مرنے والا اس کا انکار کرتا ہے، تو وہ شیاطین چلے جاتے ہیں اور دوسرے شیاطین آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو عیسائی ہو کر مرنا؛ کیوں کہ یہ عیسیٰ کا دین ہے، جس نے موسیٰ کے دین کو منسوخ کر دیا تھا اور اس کے سامنے اس دین کے عقائد پیش کرتے ہیں۔ اس وقت اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اس کو ثابت قدم رکھنا اور ہدایت پر قائم رکھنا چاہتے ہیں، تو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی رحمت آتی ہے (یا حضرت جبریل آتے ہیں) اور شیطان کو وہاں سے ہٹا دیتے ہیں اور اس کے چہرے سے گرد وغبار صاف کر دیتے ہیں، اس وقت مرنے والا لامحالہ مسکرا دیتا ہے۔ حضرت جبریل اس سے کہتے ہیں کہ کیا تو نے مجھے پہچانا؟ میں جبریل ہوں اور یہ سب شیاطین تیرے دشمن تھے، یہ وقت مرنے والے کے لیے نہایت خوشی و فرحت کا ہوتا ہے۔(۱)

ظاہر ہے کہ اس خطرناک صورتِ حال میں ایک مؤمن کو کس قدر بے چینی ہوگی؟ اسی لیے جب تک اس کشمکش سے آزاد ہو کر ایک مؤمن اپنے ایمان کے ساتھ اللہ کے دربار میں حاضر نہیں ہو جاتا، اس وقت تک وہ مطمئن نہیں ہو سکتا، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں آیا ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا، تو ان کے صاحب زادے: امام عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور پھر جب ہوش بہ حال

(۱) التذکرة للقرطبي:۱۸٦

ہوتے، تو وہ بار بار فرمارہے تھے کہ ''لاَ بَعْدُ، لاَ بَعْدُ'' (ابھی نہیں، ابھی نہیں) صاحب زادہ امام عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ ابا جی! آپ کیا دیکھ رہے ہیں اور کس کو فرمارہے ہیں؟ تو فرمایا کہ ''شیطان میرے بازو کھڑا ہے اور اپنی انگلی دانتوں سے کاٹے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اے احمد! تو مجھ سے چھوٹ کر نکل گیا اور میں اس سے کہہ رہا تھا کہ ابھی نہیں بچا، ابھی نہیں بچا۔''(۱)

مؤمن کے لیے ایک عظیم بشارت

مگر یہاں یہ بھی اچھی طرح سنتے چلیں کہ شیطانِ لعین کی جانب سے موت کے وقت بہکانے اور گمراہی کی جانب لے جانے کی کوششوں کو سن کر اور پڑھ کر مؤمن کو مایوسی کا شکار نہ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یہ شیطانی کارروائی تو اپنی جگہ ہے اور فکر مندی کی بات بھی ہے؛ مگر یاد رکھیں کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں؛ بل کہ اس دن اس کے مقابلے کے لیے تیار ہونے اور تیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اور جو لوگ یہ تیاری کرتے ہیں، ان مؤمنوں کے لیے ایک عظیم بشارت حدیث میں آئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے نازک موقع پر مؤمن کی مدد بھی اللہ کی جانب سے کی جاتی ہے۔ یہ سننے سے ایک مؤمن کو تسلی ہو جاتی ہے اور وہ شیطان کے حملے کی بات سن کر اور پڑھ کر جو پریشان ہوتا ہے، اس سے کچھ سکون و قرار پاتا ہے۔

چناں چہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

« إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُنْضِي شَيَاطِينَهُ، كَمَا يُنْضِي أَحَدُكُمْ بَعِيرَهُ فِي السَّفَرِ. » (۲)

(بلا شبہ مؤمن اپنے شیطان کو اس طرح کمزور و دبلا کر دیتا ہے، جیسے سفر میں کوئی اپنے اونٹ کو کمزور کر دیتا ہے۔)

---

(۱) التذكرة للقرطبي: ۱/۳۸، الثبات عند الممات: ۱۶۰

(۲) مسند أحمد: ۸۹۲۷، الجامع المسند: ۱۵۱۲۴، غاية المقصد في زوائد المسند: ۱/۱۳۶

علامہ امام ابن الجوزی ﷫ نے "الثبات عند الممات" میں اسی حوالے سے لکھا ہے کہ

" فَيَنبَغِي لِلمُؤمِنِ أنْ يَعْلَمَ أنَّ تِلكَ السَّاعَةَ هِيَ مَصْدُوقَةٌ لِلْحَرْبِ، وَ حِينَ يَحْمَى الوَطِيس، فَيَنبَغِي أنْ يَتَجَلَّدَ وَ يَسْتَعِينَ بِاللّٰهِ عَلَى العَدُوّ، وَ لِيَرجِعَ عَنْهُ خَائِباً."(۱)

(مؤمن کو چاہیے کہ وہ اس بات کو جان لے کہ یہ موت کی گھڑی وہی ہے، جو شیطان سے جنگ کا مصداق ہے اور جس وقت کہ مقابلہ بڑا گرما گرم ہوگا؛ لہٰذا وہ اس کے مقابلے میں سخت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اس دشمن کے مقابلے میں مدد مانگے اور اس کو ناکام واپس لوٹا دے۔)

اس کے بعد اُنھوں نے وہی اوپر والی حدیث پیش کی ہے؛ تاکہ معلوم ہو کہ مؤمن اگر تیاری کر کے گیا ہے، تو اللہ اس کی مدد کرے گا اور وہ شیطان کو کمزور کر کے رکھ دے گا۔

مولانا نعیم دیوبندی ﷫ کا شیطان سے موت کے وقت مقابلہ

یہاں ایک عبرت انگیز واقعے کا ذکر مناسب ہوگا، وہ یہ کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ﷫ کے ایک عزیز اور دوست: مولانا نعیم دیوبندی تھے، جو دار العلوم دیوبند کے فاضل اور نہایت متقی و صاحبِ علم و عمل تھے۔ حضرت مفتی صاحب ﷫ نے موت کے وقت شیطان سے ان کے مقابلے کا آنکھوں دیکھا جو حال لکھا ہے، وہ نہایت عبرت خیز ہے۔

وہ یہ کہ مولانا نعیم دیوبندی ﷫ جن کی صحت کم عمری میں ہی خراب ہو گئی تھی، جب ان کے نزع کا وقت ہوا، تو جو لوگ ان کے قریب تھے، انھوں نے محسوس کیا کہ وہ کسی سے بات چیت کر رہے ہیں، اس سے انھوں نے سمجھا کہ وہ یوں ہی ہذیان بک رہے ہیں؛ مگر جب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ﷫ ان کے پاس مغرب کے بعد پہنچے، تو انھوں نے حضرت مفتی صاحب کو پہچانا اور فرمایا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھ دو اور دعا پڑھو اور کہا کہ

(۱) الثبات عند الممات:۵۷

حضرت میاں صاحب یعنی حضرت مولانا اصغر حسین صاحب کو میرا سلام کہہ دینا۔''

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

''اس کے فوری بعد ان کا شیطان سے مناظرہ شروع ہو گیا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک یہ سلسلہ احقر کی موجودگی میں جاری رہا۔ اس سلسلے میں مجھے خطاب کر کے کہا کہ مردود مجھے عصر کے وقت سے تنگ کر رہا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ حاضرین جسے ہذیان سمجھ رہے تھے، وہ ہذیان نہیں؛ بل کہ اس مردود کے ساتھ خطاب تھا۔ مرحوم کی ہمشیرہ پاس موجود تھی اور دوسرے بہت سے مرد وعورت جو پاس تھے، ان کا بیان ہے کہ مغرب سے کچھ دیر پہلے سے اول وصیت کی، پھر بہت گڑگڑا کر تضرع وزاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا کی کہ ''اے میرے پروردگار! میں بہت بدعمل اور سیاہ کار ہوں، ساری عمر معاصی وغفلتوں میں گزاری ہے، میں تجھے کس طرح منہ دکھاؤں؟ لیکن تیرا ہی ارشاد ہے ''سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلَى غَضَبِيْ''، اس لیے میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں ۔ یہ تضرع وزاری کی دعا، اس شان سے ہوئی کہ عام حاضرین پر رقت طاری تھی ۔ دعا کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا کہ بہ آوازِ بلند کہا: مردود تجھے بتلاؤں گا، کہ تو مجھے حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کس طرح کرنا چاہتا ہے؟ میں کبھی مایوس نہیں ہوں گا ۔ مجھے اس کی رحمت سے بڑی امیدیں ہیں، اس کی رحمت کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ میں ضرور جنت میں جاؤں گا۔ تو ایک موٹی کتاب لے کر اس وقت مجھے بہکانے آیا ہے، تجھے اس لیے یہ جرأت ہوئی کہ سترہ روز سے مسجد نہیں گیا؛ مگر میری یہ غیر حاضری خدا کے حکم سے تھی۔''

اس کے بعد آیت کریمہ:

﴿ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْـتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ، وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ. ﴾ تک پڑھی اور آگے ﴿ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ. ﴾ بار بار پڑھتے رہے اور شیطان سے مخاطب ہو کر کہا کہ مردود تو یہ بھلانا چاہتا ہے اور میں اس کو نہیں بھول سکتا۔ یہ آیت مجھے حضرت میاں صاحب ﷫ نے بتلائی ہے اور مولوی محمد شفیع ﷫ نے بتلائی ہے اور پھر بار بار اسی جملہ ﴿ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ. ﴾ کو پڑھنا شروع کیا اور کمرہ گونج اٹھا۔

مفتی صاحب ﷫ لکھتے ہیں کہ یہ باتیں تو میرے پہنچنے سے پہلے ہو چکی تھیں۔ جب میں پہنچا، تو فرمایا کہ یہ مردود مجھے عصر کے وقت سے تنگ کر رہا ہے، میں نے ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ'' کی تلقین کی، تو بلند آواز سے اس کو پڑھا اور کہا کہ خبیث! اب تجھے بتلاؤں گا، تو مجھے کیوں بہکانے آیا ہے؟ ''لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ'' میرے دل میں گڑا ہوا ہے، ''اللہ اللہ'' میری رگ رگ میں بسا ہوا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے '' لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ '' پڑھا، تو اس کو پڑھ کر کہا کہ آگے کیوں نہیں پڑھتے ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ''۔ منہ سے خون کی قے جاری تھی اور جب اس سے فرصت ملتی، تو کبھی ''لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ '' پورا پورا کلمہ بآوازِ بلند پڑھتے تھے اور کبھی ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ'' اور کبھی ﴿ لَآ إِلٰـهَ إِلَّآ أَنْـتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ اور کبھی شیطان سے خطاب کر کے کہتے کہ اس کو مارو اس کو مارو۔

حضرت مفتی صاحب ﷫ لکھتے ہیں کہ: اس وقت اس چھ ماہ کے مریض کی یہ حالت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب کشتی لڑنے کو کھڑا ہو جائے گا۔ ایک

مرتبہ کہا کہ تو نے سمجھا ہوگا کہ یہ نازک وقت ہے، اس وقت بہکا دوں گا۔ اب میرے بدن میں جرأت آ گئی ہے، اب میں تجھے بتلاؤں گا۔ اس کے بعد کہا کہ یہ بہت سے آدمی ہیں، (غالباً فرشتوں کو دیکھ کر) پھر کہا کہ اب تو مجھے لے چلو۔ پھر بار بار کلمہ پڑھتے رہے اور اسی حال میں انتقال فرما گئے۔"(۱)

لہٰذا مؤمن کو مایوس نہیں ہونا چاہیے؛ بل کہ فکرمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے دشمن کو زیر کرنے کے لیے ایمان و یقین اور اعمالِ صالحہ سے تیار اور لیس ہو کر جائے اور شیطانِ رجیم کو زیر کرنے کی کوشش کرے اور دعا کا اہتمام کرے۔ اللہ مجھے اور سبھی مسلمانوں کو اس وقت شیطان کے حملے سے محفوظ رکھے اور کامیاب کرے۔ آمین یا رب العالمین۔

خاتمے کا حال مخفی رکھنے میں حکمت

اس فصل کے اخیر میں ایک اہم افادہ پیش کر دینا مناسب ہے، وہ یہ کہ خاتمے کا حال اللہ تعالیٰ نے جو بندوں سے چھپا کر رکھا ہوا ہے، اس میں متعدد حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

چناں چہ علامہ ابن بطال شارحِ بخاری ؒ لکھتے ہیں کہ

"خاتمے کے اعمال کو مخفی رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم حکمت اور لطیف تدبیر کارفرما ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی کو اس کا علم ہو جاتا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، تو اس میں تکبر اور سستی آ جاتی اور جسے یہ معلوم ہو جاتا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا؛ تو اس میں کفر و طغیانی اور سرکشی اور بڑھ جاتی؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کا علم اپنے لیے مخصوص کیا؛ تا کہ بندے خوف و امید دونوں کے درمیان رہیں اور مطیع و فرماں بردار عجب و تکبر میں مبتلا نہ ہوں اور عاصی و نافرمان خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔"(۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس میں بہت سی حکمتیں ہیں کہ اس نے انسان کے

---

(۱) النعیم المقیم: از مفتی محمد شفیع صاحب ؒ

(۲) شرح بخاري لابن بطال: ۲۰۳/۱۰

خاتمے کا حال مخفی رکھا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ گنہ گار مؤمن اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا امیدوار رہے اور مایوسی کا شکار نہ ہو اور دوسرے یہ کہ متقی مؤمن اپنے خاتمے کے بارے میں خوف زدہ رہے اور اپنے اعمال کو دیکھ کر فخر وغرور اور عجب وتکبر میں مبتلا ہونے سے بچے؛ کیوں کہ یہ دونوں باتیں اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہیں، نہ مایوسی ہونا چاہیے اور نہ فخر وغرور میں مبتلا ہونا چاہیے۔

فصل سوم

ثابت قدمی اور خاتمہ بالخیر کے اسباب ووسائل

یہاں پہنچ کر ایک مؤمن کے دل میں یہ سوال پیدا ہونا، ایک قدرتی وفطری بات ہے کہ شیطان کا مقابلہ کرنے ہم کس طرح تیار ہوں اور اس کے کیا وسائل وتدابیر اختیار کریں؟ پھر یہ سوال اس لیے بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک جانب مؤمن کو عقیدہ دیا گیا ہے کہ نوشتہ تقدیر میں جو ہوگا، وہ ہو کر رہتا ہے اور دوسری جانب شیطانِ لعین موت کے وقت اپنی مقدور بھر کوشش سے مؤمن کو بہکانے اور بے ایمان کردینے کا بیڑا اٹھاتا ہے اور اس میں اپنی ذریت اور چیلوں کو بھی اپنا معاون بنالیتا ہے، تو آخر مؤمن کس طرح سے خاتمہ بالخیر کا اہتمام کرے اور کن اسباب سے وہ اس راہ کو پار کرے؟

اس اہم سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاں نوشتہ تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے اور اس بات کا بھی کہ شیطان ایک انسان کے ساتھ موت کے وقت کیا کیا کرتا اور کس طرح اس کو بہکاتا ہے، وہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے وسائل اور اسباب پیدا کیے ہیں اور بندہ جب ان وسائل واسباب کو اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ سے اسے وہ چیز عطا کردیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خاتمہ بالخیر کے لیے بھی اسباب رکھے ہیں، جس طرح خاتمہ بالسوء کے کچھ اسباب ہیں؛ لہٰذا ایک مؤمن کو چاہیے کہ وہ خاتمہ بالخیر کے

حصول کے واسطے اپنی کوششوں اور جد و جہد میں ان اسباب و وسائل کو اختیار کرے؛ تا کہ اسے یہ دولتِ عظمیٰ حاصل ہو۔

ہم یہاں پہلے خاتمہ بالخیر کے لیے قرآن وسنت اور سلفِ صالحین اور اکابر علما کے بیان کردہ چند اہم اسباب و وسائل کا ذکر کریں گے، پھر سوئے خاتمے کے اسباب کا تذکرہ کریں گے۔ اللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ سُوْءِ العَاقِبَۃ۔

۱- قرآنِ کریم سے تعلق

قرآنِ کریم سے تعلق ومحبت ان اسباب میں سے ایک ہے، جن سے مؤمن کو دنیا اور آخرت دونوں میں ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔

اس کا ذکر ﴿سُوْرَۃ النَّحْل﴾ کی اس آیتِ کریمہ میں ملتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ. ﴾

(کہہ دیجیے کہ قرآن کو روح القدس (یعنی جبریل) نے آپ کے پروردگار کی جانب سے حق کے ساتھ اُتارا ہے؛ تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہو۔)

اس آیت میں غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو اہلِ ایمان کے لیے ثابت قدمی کا ذریعہ قرار دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہاں ثابت قدمی سے جہاں دنیا کے مختلف احوال وکوائف میں ثابت قدمی مراد ہے، اسی طرح موت کے وقت بھی مراد ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص قرآنِ کریم سے شغف وتعلق رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو موت کے وقت بھی ایمان پر ثابت قدمی سے نوازیں گے۔

اور قرآن سے تعلق کی کئی صورتیں ہیں:

- ایک یہ کہ اس کی عظمت کی جائے۔
- دوسرے یہ کہ اس سے محبت کی جائے۔

- تیسرے یہ کہ اس کی تلاوت کی جائے۔
- چوتھے یہ کہ اس میں غور وفکر اور تدبر کیا جائے۔
- پانچویں یہ کہ اس پر عمل کیا جائے۔
- چھٹے یہ کہ اس کی تبلیغ واشاعت کی جائے۔

اور یہاں تعلق سے یہ سب باتیں مراد ہیں؛ لہٰذا جو شخص اپنی زندگی میں قرآنِ کریم سے اس طرح کا تعلق رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو موت کے وقت ثابت قدم رکھیں گے اور خاتمہ بالخیر اس کو نصیب ہوگا۔

۲- اعمال وعبادات کی مخلصانہ پابندی

خاتمہ بالخیر کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ ہے کہ اعمال وعبادات کی پابندی کی جائے اور پورے اخلاص کے ساتھ ان کو بجالائے اور یہ پابندی تمام احکامات وتعلیمات اسلام کو شامل ہے؛ لہٰذا جو آدمی اپنی زندگی کو اعمال وعبادات سے معمور رکھے گا، امید یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے خاتمہ بالخیر کی دولت سے مالا مال کریں گے۔

چناں چہ قرآنِ کریم میں ﴿سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْم﴾ میں ہے کہ

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾

(اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس قولِ ثابت کی وجہ سے ثابت قدم رکھتا ہے، اس دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہے کرتا ہے۔)

اس آیت کی تفسیر میں خود حضرت رسالت مآب ﷺ سے مروی ہے اور متعدد صحابہ وتابعین اور ائمۂ تفسیر نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ اس میں ''دنیا کی زندگی'' سے یہی دنیا کی زندگی اور ''آخرت'' سے مراد ''قبر کی زندگی'' ہے اور یہ بھی فرمایا کہ آخرت میں ثابت قدم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں منکر ونکیر کے سوال کے وقت اللہ تعالیٰ ان کو ثابت قدمی سے

نوازیں گے۔(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بندہ نیکی وطاعت، خیر وصلاح پر قائم ہوتا ہے، اس کو قبر میں بھی اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتے ہیں۔ جب قبر میں اسے یہ بات حاصل ہوگی؛ تو ظاہر ہے کہ موت کے وقت تو بہ درجہ اولیٰ اس کو یہ بات حاصل ہوگی۔

قرآنِ کریم میں ایک اور جگہ ﴿سُوْرَةُ النِّسَآءِ﴾ میں ارشادِ ربانی ہے کہ

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا، وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا، وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا.﴾

(اور اگر یہ لوگ ان باتوں پر عمل کریں، جن کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے، تو یہ ان کے حق میں بہتر اور خوب ثابت قدمی کا سبب ہوتا اور اس وقت ہم ضرور ان کو اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا کرتے اور انھیں سیدھی راہ دکھا دیتے۔)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعمالِ خیر کا اختیار کرنا اور اپنی زندگی کو ان سے معمور رکھنا ثابت قدمی کا سبب ہے؛ لہٰذا جو لوگ دینی اعمال کو پابندی کے ساتھ انجام دیتے ہیں، ان کو موت کے وقت بھی ثابت قدمی سے نوازا جاتا ہے۔

۳- ذکر اللہ کا اہتمام

دنیا کے مختلف احوال میں ثابت قدمی اور یہاں سے کوچ کے وقت خاتمہ بالخیر کے وسائل میں سے ایک بڑا سبب ذکر اللہ کا اہتمام ہے۔ یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اللہ کا ذکر نہایت ہی قیمتی چیز ہے اور اس کے فضائل و برکات اس قدر ہیں کہ ان کا احاطہ ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

ان برکات میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے دل مطمئن ہوتا ہے، جیسا کہ ﴿سُوْرَةُ الرَّعْدِ﴾ میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) تفسیر الطبري ۱۶/۶۰۰-۶۰۳، تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۹۴/۵۰۸

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ، اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ. ﴾

(جولوگ ایمان لائے اوران کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے، خبردار کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے، جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیتے رہے، ان کے لیے خوش خبری اور بہترین ٹھکانا ہے۔)

اس سے ذکر اللہ کی عجیب برکت معلوم ہوتی ہے اور وہ ہے سکون وقرارِ قلب اور بندے کو جب دل میں سکون وقرار آ جاتا ہے، تو اس کو ثابت قدمی کی دولت مل جاتی ہے؛ لہٰذا جولوگ ذکر اللہ کے عادی ہوتے ہیں، وہ موت کے وقت بھی ثابت قدم رہتے ہیں اور ایسے ہی نفوس کو انفاسِ مطمئنہ کہا جاتا ہے، جن کے بارے میں قرآنِ کریم ایک اور موقع پر ﴿سُوْرَةُ الْفَجْرِ﴾ میں فرماتا ہے کہ نفسِ مطمئنہ سے موت کے وقت اللہ کے فرشتے کہتے ہیں کہ

﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً، فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ، وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ. ﴾

(اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی جانب اس حال میں لوٹ جا کہ تو رب سے راضی اور رب تجھ سے راضی ہے، پس میرے بندوں میں شامل اور میری جنت میں داخل ہو جا۔)

یہ آیت بھی بتا رہی ہے کہ صاحبِ نفسِ مطمئنہ موت کے وقت ثابت قدم رہتا ہے اور اس کا خاتمہ خیر پر ہوتا ہے اور اس کو اسی وقت جنت کی خوش خبری بھی سنا دی جاتی ہے۔

۴- التزام تقویٰ

تقویٰ و ورع بھی ان اسباب میں سے ہے، جن سے بندۂ مؤمن خاتمہ بالخیر کی دولت سے نوازا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ نیک انجام تو متقی لوگوں کے لیے طے ہے۔

ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ

﴿إِنَّ الْعٰقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾[ھود: ۴۹]

(نیک انجام تو متقی لوگوں کے لیے ہے۔)

ایک اور مقام پر ان الفاظ کے ساتھ اس حقیقت کو پیش کیا گیا ہے کہ

﴿وَالْعٰقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾[طٰهٰ: ۱۳۲]

(اور نیک انجام تقوے کا ہوتا ہے۔)

تقویٰ ایک ایسی صفتِ حسنہ ہے، جس سے بندۂ مؤمن اللہ کی خوشنودی پانے کے لیے ایک جانب فرائض وواجبات کا اہتمام کرتا ہے، تو دوسری جانب محرمات وبرائیوں سے اجتناب کا التزام کرتا ہے، پھر اس کے متعدد درجات ہیں، جن میں بعض بعض سے بڑھے ہوئے ہیں۔

ان آیات میں تقوے کا ایک ثمرہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے حسنِ انجام نصیب ہوتا ہے اور یہ حسنِ انجام دنیا کے لحاظ سے بھی ہوسکتا ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی، دنیا کے لحاظ سے اس طرح کہ متقی لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں کفار وفساق کے مقابلے میں کامیابی عطا کرتے ہیں اور آخرت کے لحاظ سے اس طور پر کہ متقی لوگوں کو جنت اور جنت کی نعمتوں سے مالامال کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جسے آخرت میں حسنِ انجام نصیب ہوگا اور وہ وہاں کی نعمتوں اور راحتوں سے متمتع ہوگا، تو اس کا خاتمہ بالخیر ہونا یقینی بات ہوگی؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ تقوے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ حسنِ خاتمہ عطا فرماتے ہیں۔

۵- اہل اللہ اور نیک لوگوں کی صحبت

ایک اہم سبب خاتمہ بالخیر کا یہ ہے کہ اہل اللہ اور نیک وصالح لوگوں کی صحبت ومعیت حاصل ہوجائے؛ کیوں کہ اہل اللہ کی محبت وعقیدت اور نیکوں کی صحبت ومعیت انسان کے اندر نیکی وصلاح کا عنصر پیدا کردیتی ہے؛ اسی لیے احادیث میں بھی اس کا سبق دیا گیا ہے

اوراہل اللہ کی کتابوں میں بھی اس کا بڑی اہمیت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔

ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

''اللہ کے فرشتے زمین پر اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں کو تلاش کرتے ہیں اور جب ان کو پاتے ہیں، تو انھیں اپنے پروں میں چھپاتے ہوئے آسمانِ دنیا تک پھیل جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں کہ میرے یہ بندے کیا کر رہے ہیں؟ فرشتے بتاتے ہیں کہ وہ لوگ آپ کی حمد وستائش اور تسبیح وتکبیر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ مجھے دیکھ لیں، تو کیا کریں گے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر یہ آپ کو دیکھ لیں، تو اس سے زیادہ عبادت وطاعت اور تحمید وتسبیح کریں گے۔ اللہ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا مانگ رہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ جنت مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انھوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ کہتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جنت کو دیکھ لیں، تو کیا کریں گے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر دیکھ لیتے، تو اس سے زیادہ اس کی حرص وطلب کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ کہتے ہیں کہ وہ جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے۔ اللہ پوچھتے ہیں کہ کیا انھوں نے اسے دیکھا ہے؟ کہتے ہیں کہ نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر دیکھ لیتے تو؟ وہ کہتے ہیں کہ دیکھ لیتے، تو اس سے زیادہ اس سے بھاگتے اور دور ہونے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت کردی۔ ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! ایک شخص ان میں داخل نہیں تھا، وہ تو اپنی کسی ضرورت سے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"هُمُ الجُلَسَاءُ لاَ يَشْقَىٰ بِهِمْ جَلِيسُهُمْ"(۱)

(یہ لوگ وہ ہیں، جن کے پاس بیٹھنے والے بھی محروم نہیں ہیں۔)

اس حدیث میں صالحین کی صحبت ومعیت پانے والوں کی فضیلت میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ نامراد نہیں رہتے؛ بل کہ وہ ضرور کامیابی کی منزل پا جاتے ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

" وَ فِيْهِ أَنَّ الصُّحْبَةَ لَهَا تَأْثِيْرٌ عَظِيْمٌ، وَ أَنَّ جُلَسَاءَ السُّعَدَاءِ سُعَدَاء، وَالتَّحْرِيْضُ عَلَى صُحْبَةِ أَهْلِ الْخَيْرِ وَ الصَّلاَحِ."(۲)

(اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحبت کی ایک عظیم تاثیر ہے اور سعید لوگوں کی صحبت پانے والے بھی نیک بخت ہوتے ہیں اور اس میں نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے پر ابھارا گیا ہے۔)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا اس سلسلے میں ایک اہم ملفوظ ہے، وہ یہ کہ آپ فرماتے ہیں:

"حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب رحمہ اللہ کے سلسلے کی برکت یہ ہے کہ جو بلا واسطہ یا بواسطہ حضرت سے بیعت ہوا ہو؛ اس کا بفضلہٖ تعالیٰ خاتمہ بہت اچھا ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض متوسلین گو مرید ہونے کے بعد دنیا دار ہی رہے؛ لیکن ان کا بھی خاتمہ بفضلہٖ تعالیٰ اولیاء اللہ کا سا ہوا۔"(۳)

---

(۱) صحيح البخاري:۶۴۰۹، صحيح مسلم :۷۰۱۵، مسند أحمد :۸۹۶۰، صحيح ابن حبان:۸۵۷، مسند البزار:۹۱۴۷، مسند الطيالسي:۲۵۵۶

(۲) عمدة القاري شرح صحيح البخاري:۴۲/۲۳

(۳) ملفوظات حکیم الامت:۱۶۶/۲۲

الغرض نیک وصالح لوگوں کو جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور برکتوں سے محروم نہیں کرتے، تو جوان کے ساتھ مصاحبت اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی محروم نہیں رکھتے؛ حضرت تھانوی کے اس قول کا یہی ماحصل ہے؛ لہٰذا ان حضرات اہل اللہ کی برکت سے ان کو بھی خاتمہ بالخیر نصیب ہوتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ کی وفات کا حیرت انگیز واقعہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اور دیگر علما نے ایک عالم کی موت کا عجیب قصہ لکھا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ قصہ مشہورِ زمانہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا ہے، جو بہت بڑے عالم اور قرآنِ کریم کے عظیم مفسر ہیں اور مختلف علوم وفنون کے ماہر امام تھے اور بالخصوص فنِ فلسفہ و منطق ان کا خاص موضوع تھا۔ قصہ یہ ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ کو ایک بار اس طرف توجہ ہوئی کہ کسی اللہ والے سے رابطہ رکھنا اور اپنے قلب کی دنیا کو معرفتِ الٰہیہ کے نور سے منور ومعمور کرنا چاہیے؛ لہٰذا آپ نے اپنے زمانے کے شیخ الشیوخ قدوۃ الاولیا: حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کا انتخاب کیا اور ان سے جا کر بیعت ہو گئے۔ حضرت شیخ نجم الدین کبری رحمہ اللہ نے ان کو ذکر کی تلقین کی اور کچھ وظائف پڑھنے کو دیے۔ جب امام رازی نے ذکر وشغل کا سلسلہ جاری کیا، تو ان کو محسوس ہوا کہ کوئی چیز دھویں کی شکل میں اندر سے نکل رہی ہے۔ شیخ سے جا کر حال سنایا؛ تو شیخ نے کہا کہ یہ دراصل تمہارا فلسفہ ومنطق کا علم ہے، جو ذکر کی برکت سے جل کر باہر نکل رہا ہے۔ یہ سن کر امام رازی گھبرا گئے اور ان کو گوارا نہ ہوا کہ اس قدر محنتِ شاقہ سے حاصل کیا ہوا یہ علم میرے اندر سے نکل جائے؛ لہٰذا ذکر وشغل چھوڑ دیا اور شیخ کے پاس سے چلے گئے؛ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس صحبتِ شیخ کا نفع خاتمہ بالخیر کی صورت میں عطا فرمایا، وہ اس طرح کہ جب امام رازی کی موت کا وقت آیا؛ تو شیطانِ لعین ان کے پاس مناظرہ کرنے اور ایمان سے برگشتہ کرنے آ گیا اور توحید کے مسئلے پر مناظرہ شروع کر دیا۔

امام رازی جو کہ بڑے فلسفی ومنطقی تھے، ان کے پاس توحید باری پر ایک سو دلائلِ عقلیہ

کا ذخیرہ تھا اور امام رازی کو اپنے ان عقلی وفلسفیانہ دلائل پر بڑا ناز تھا اور خیال یہ تھا کہ یہ ایسے مضبوط دلائل ہیں کہ کوئی ان کو توڑ نہ سکے گا؛ لہٰذا امام رازی شیطان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایک ایک کر کے دلیلیں بیان کرنے لگے؛ مگر شیطان ان کے عقلی دلائل کے تار و پود بکھیرتا چلا گیا اور ان کے کسی نہ کسی مقدمے کو کمزور کرنے لگا؛ یہاں تک کہ امام رازی کی وہ ساری دلیلیں یکے بعد دیگرے ٹوٹتی چلی گئیں۔

پھر وہ ان کے دل میں شبہ ڈالنے لگا کہ جب توحید جو کہ اصل الاصول ہے، وہی تمھاری کمزور ہے، تو خود ہی غور کر لو کہ دیگر امورِ اسلام کا کیا حال ہوگا؟ اور قریب تھا کہ امام رازی کے دل میں اصولِ اسلام کی حقانیت میں شبہ یا تذبذب پیدا ہو جاتا، اتنے میں امام رازی کے شیخ امام نجم الدین کبری جو کہ ان سے سیکڑوں میل کے فاصلے پر تھے، اپنے گھر میں وضو کر رہے تھے، ان کو مکشوف ہوا کہ امام رازی کے اوپر یہ مصیبت نازل ہے اور شیطان ان کو عقلی دلائل سے زیر کر رہا ہے، تو آپ نے وضو کا پانی ہاتھ میں لیا اور اسی جانب کو پھینکا، جدھر امام رازی کا علاقہ تھا اور زور سے کہا کہ رازی! یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ مجھے قرآن وحدیث کے دلائل کافی ہیں، ان عقلی دلائل کی ضرورت نہیں؛ لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کو بے دلیل ایک مانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آواز اور وہ پانی؛ دونوں امام رازی تک پہنچا دیے، پانی کے چھینٹے منہ پر پڑے اور کان میں آواز آئی اور یہ سننا تھا کہ ان کی زبان پر یہ جاری ہوا کہ میں اللہ تعالیٰ کو بے دلیل ایک مانتا ہوں۔ بس یہ کہنا تھا کہ روح قبض ہو گئی اور ایمان پر موت واقع ہو گئی۔ (۱)

۶-حسنِ انجام کے لیے دعا کا اہتمام

خاتمہ بالخیر اور حسنِ انجام کے لیے ایک تدبیر اور وسیلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے الحاح وزاری کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ سب سے اہم وسیلہ ہے؛ کیوں کہ دعا سے اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا جائے اور وہی اپنی رحمت سے عطا کر دے، تو

(۱) دیکھو: خطبات حکیم الامت: ۱۲/۱۴۷، خطباتِ فقیر: ۹/۱۱۹

یہ دولت مل سکتی ہے اور اگر اللہ نہ دے، تو کوئی ہمیں یہ دولت نہیں دے سکتا۔

اسی لیے قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے خاتمہ بالخیر کے لیے دعائیں مانگی ہیں۔ جیسا کہ اس سلسلے میں اوپر ہم نے حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعا نقل کی ہے۔

اسی طرح احادیث سے رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ سے برابر اس کی دعا مانگتے تھے۔

حسنِ خاتمہ کے لیے درجِ ذیل دعاؤں کا اہتمام کرنا مناسب ہوگا، جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔

(۱) ایک دعا یہ ہے، جو اوپر پیش کر دی گئی ہے:

"یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰی دِیْنِکَ."

(اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو دین پر جما دے۔)

(۲) یہ دعا بھی اوپر گزر چکی ہے:

"اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ، وَأَحْيِنَا مُسْلِمِينَ، وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُونِينَ."

(اے اللہ! ہمیں مسلمانی کی حالت میں وفات دے اور مسلمانی کی حالت میں زندگی عطا فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملحق فرما، اس حال میں کہ نہ تو ہمیں کوئی ذلت ہو اور نہ ہم کسی قسم کے فتنے کا شکار ہوں۔)

(۳) ایک دعا ان الفاظ سے مروی ہے:

"اَللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ."(۱)

(اے اللہ! تمام امور میں ہمیں حسنِ انجام عطا فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی

---

(۱) مسند احمد: ۱۷۶۲۵، المستدرک للحاکم: ۶۵۰۸، المعجم الکبیر للطبراني: ۱۱۸۳، الدعاء للطبراني: ۱۴۳۶، الدعوات الکبیر للبیهقي: ۲۳۸

اورآخرت کے عذاب سے محفوظ فرما۔)

(۴)اس سلسلے کی ایک دعا یہ ہے کہ

" أَعُوذُ بِکَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ."(۱)

(اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ شیطان موت کے وقت مجھے خبطی ودیوانہ بنادے۔)

(۵) حضرت نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث میں یہ منقول ہے کہ آپ یہ دعا کیا کرتے تھے:

" اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ عِيشَةً نَقِيَّةً، وَمِيتَةً سَوِيَّةً، وَمَرَدًّا غَيْرَ مُخْزٍ، وَلاَ فَاضِحٍ."(۲)

(اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں پاکیزہ زندگی اور اچھی موت اور ایسے ٹھکانے کا جہاں ذلت ورسوائی نہ ہو۔)

یہ چند اہم دعائیں ہیں، جو احادیثِ نبویہ میں وارد اور ثابت ہیں، ان کا اہتمام کرنے سے حسن خاتمے کی امید ہے، لہٰذا اپنی دعاؤں میں اور خاص طور پر نمازوں کے بعد کی دعاؤں میں ان کو شامل کرلیں۔

حسنِ خاتمے کی دعا پر شیطان کا حال

جب خاتمہ بالخیر کے لیے دعا کے اہتمام کا ذکر آیا، تو اس موقع پر یہ ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ

" بعض اہلِ کشف نے بیان کیا کہ شیطان عرفات کے میدان میں ان کے سامنے آیا، دیکھا تو اس کا جسم کمزور اور رنگ زرد، کمر جھکی ہوئی اور

(۱) سنن أبي داود: ۱۵۵۴، سنن النسائي: ۵۵۳۱، مسند أحمد: ۱۵۵۶۲، المستدرک للحاکم: ۹۴۸، المعجم الکبير للطبراني: ۱۵۷۱۳

(۲) المستدرک للحاکم: ۱۹۸۶، الدعوات الکبير للبيهقي: ۱۹۶

آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ان بزرگ نے اس سے پوچھا کہ تو کیوں رورہا
ہے؟ کہنے لگا کہ اس لیے کہ لوگ تجارت کی غرض کے بغیر صرف حج کے لیے
چلے ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اس کی وجہ سے وہ گھاٹے میں نہ پڑیں اور مجھے
اس کی وجہ سے غم ہوا۔ان بزرگ نے اس سے کہا کہ تیرا جسم نحیف و کمزور
کیوں ہوگیا ہے؟ کہنے لگا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں گھوڑوں
کی آواز سنائی دے رہی ہے، اگر یہ گھوڑے (اللہ کے راستے کے بجائے)
میرے راستے میں ہوتے تو مجھے اچھا لگتا۔انھوں نے پوچھا کہ پھر تیرا رنگ
کیوں زرد ہوگیا ہے؟ کہا کہ لوگوں کا نیک کاموں پر ایک دوسرے سے تعاون
کرنا اس کی وجہ ہے، اگر یہ لوگ گناہوں پر ایک دوسرے کا تعاون کرتے تو مجھے
خوشی ہوتی۔ان بزرگ نے کہا کہ تیری کمر کیوں جھک گئی ہے؟ کہا کہ بندے
کی یہ دعا ''اے اللہ میرا خاتمہ بالخیر فرما'' اس نے میری کمر توڑ دی ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ خاتمہ بالخیر کے لیے دعا کا اہتمام شیطان کی کمر توڑ دیتا ہے، لہٰذا اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

۶-اہل اللہ سے حسن خاتمے کی دعا کرانے کا اہتمام

ایک اہتمام یہ بھی ہونا چاہیے کہ اہل اللہ سے اور نیک لوگوں سے حسن خاتمے کے لیے دعا کرائی جائے، معلوم نہیں کہ کس کی دعا قبول ہوجائے اور ہمارا بیڑا پار ہوجائے۔

چناں چہ بعض اکابر علما و مشائخ سے ان کا یہ معمول نقل کیا گیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے اہل اللہ سے اس کے لیے دعا کرایا کرتے تھے، جیسے حضرت سفیان ثوری ﷫ کے بارے میں حضرت ابوجعفر رزای ﷫ فرماتے ہیں کہ آپ کبھی کبھی حضرت ابراہیم بن ادھم ﷫ کی خدمت میں تشریف لے جاتے اور ان سے درخواست کرتے کہ اے ابراہیم! آپ میرے حق میں

---

(۱) احیاء العلوم:۱/۲۴۰

دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ توحید وایمان پر مجھے موت عطا کرے۔(1)

۷-دین کی خدمت ونصرت

دین کی خدمت ونصرت کا کام وہ عظیم کام ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثابت قدمی اور حسنِ عاقبت کا ثمرہ ملتا ہے۔

قرآنِ کریم میں ﴿سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ﴾ میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ.﴾

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدموں کو جمادے گا۔)

اس آیتِ کریمہ میں "اللہ کی مدد" سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے اور دین کی مدد وخدمت پر ان دینی خدام کے لیے دو ثمرات کا وعدہ ہے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مدد کریں گے اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے قدموں کو جمادیں گے اور ثابت قدمی سے ان کو نوازیں گے۔ اور یہ ثابت قدمی مطلق ہے، خواہ وہ دنیا کی زندگی کے مختلف احوال میں ہو، یا موت کے وقت ہو؛ لہٰذا اس سے دینی خدام کے لیے بڑی بشارت ہے کہ اللہ ان کو ثابت قدم رکھے گا اور وہ خاتمہ بالخیر سے ممتاز ہوں گے۔

دین کی خدمت بہت سی صورتوں اور شکلوں سے ہوسکتی ہے: تعلیمِ دین کی صورت سے ہو، یا تبلیغِ دین کی شکل سے ہو، یا جہاد کے ذریعے ہو، یا وعظ وبیان کے طریق سے ہو، تصنیف وتالیف کے انداز سے ہو، یا مدارس کے قیام اور دینی تحریکات اور انجمنوں کے اجرا کے ذریعے ہو؛ یہ سب کے سب دین ہی کی خدمات کی صورتیں وشکلیں ہیں؛ لہٰذا کسی بھی طریقے سے اللہ کے دین کی خدمت کی جائے ، اس پر اللہ کا وعدہ ہے کہ ان خدمات کے

(1) الثبات عند الممات:۸۰

انجام دینے والوں کو یہ دولت نصیب ہوگی۔ ہاں! یہاں بھی ہر دینی کام کی طرح اخلاص شرط ہے؛ کیوں کہ اخلاص کے بغیر تو کوئی عمل لائقِ اعتبار نہیں رہتا۔

۸-نعمتِ ایمان پر شکر

خاتمہ بالخیر کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر کیا جائے؛ کیوں کہ نعمت پر شکر گزاری اس کے بقا وتحفظ اور زیادتی کا سبب و وسیلہ ہے اور یہ معلوم ومسلم ہے کہ ایمان سب سے بڑی وہ نعمت ہے، جو کسی انسان کو ملتی ہے۔

قرآنِ کریم میں شکرِ نعمت کا سبق بہت جگہ دیا گیا ہے اور شکر گزاروں کی تعریف بھی فرمائی گئی ہے اور اسی کے ساتھ ﴿سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ﴾ میں یہ بھی ارشاد ربانی ہے کہ

﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ"﴾

(اس وقت کو یاد کرو جب کہ تمھارے پروردگار نے تمھیں یہ بتایا تھا کہ اگر شکر گزاری کروگے، تو میں ضرور زیادہ کر کے دوں گا اور اگر ناشکری کروگے، تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔)

امامِ تفسیر علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر "الجامع لأحكام القرآن" میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ

" و الآية تنص في أن الشكر سبب المزيد."

(آیتِ کریمہ اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ شکر، زیادتی کا سبب ہے۔)(۱)

اور امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایمان پر شکر، اس کے تحفظ و بقا کا سبب ہے۔ چناں چہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے "خطبات" میں فرماتے ہیں کہ "حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر ایمان پر خاتمہ چاہتے ہو، تو ہمیشہ نعمت

(۱) تفسير القرطبي: ۳۴۳/۹

ایمان پر خدا کا شکر ادا کرو؛ کیوں کہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم میرا شکر کروگے،تو میں نعمت کو بڑھاؤں گا۔)(۱)

۹-ترکِ معاصی کا اہتمام

خاتمہ بالخیر کے وسائل اور اسباب میں ایک اہم وسیلہ یہ ہے کہ گناہ و عصیان سے دور رہا جائے، اس سے نفور ہوا جائے اور اس کے ترک کا اہتمام والتزام کیا جائے؛ کیوں کہ معاصی کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا بہت بڑا سبب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا جائے، تو اللہ تعالیٰ عاصی کو اس حالت سے ہٹا دیتے ہیں، جو وہ اپنے مخصوص بندوں کے لیے پسند کرتے ہیں؛ لہٰذا معاصی پر اصرار واستمرار سے سوئے خاتمہ کا خوف اور اندیشہ ہے؛ لہٰذا حسنِ خاتمہ کے لیے ترکِ معاصی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ہاں! اگر بشریت کے تقاضے سے کبھی گناہوں کا صدور ہوجائے؛ تو علی الفوران سے توبہ کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے دربار عالی وقار میں روکر، گڑگڑا کران سے معافی طلب کی جائے، اگر توبہ سچے دل کے ساتھ ہو؛ تو اللہ تعالیٰ گناہ کو مٹا دیتے ہیں اور اپنی عنایات کا سلسلہ پھر جاری کر دیتے ہیں۔

الغرض اولاً تو تمام گناہوں اور معاصی سے اجتناب کرنا چاہیے اور اگر کبھی بشری تقاضے سے ہوجائے، تو فوراً توبہ واستغفار کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے، تاکہ خاتمہ بالخیر کی عظیم دولت میسر آئے۔

اس موضوع پر آگے تفصیلی کلام آنے والا ہے اور وہیں اس سلسلے میں اکابر علما و مشائخ کا کلام بھی نقل کیا گیا ہے۔

یہ خاتمہ بالخیر کے چند اہم اسباب و وسائل ہیں، جو کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ اور اکابرِ امت کے بیانات واقوال کے حوالے سے ذکر کیے گئے ہیں۔

---

(۱) خطباتِ حکیم الامت:۱۲/۲۰۴

فصل چهارم

چند اعمالِ صالحہ جن پر حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں وارد بعض ان اعمالِ صالحہ کا تذکرہ کر دیا جائے، جن پر حسنِ انجام کی بشارت سنائی گئی ہے، اگر چہ اوپر بھی اس قسم کے بعض اعمال کا ذکر ہو چکا ہے، مگر یہاں ان کا جمع کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اللہ ورسول کی محبت

خاتمہ بالخیر کی بشارت جن اعمال پر سنائی گئی ہے، اس میں سے ایک یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ سے ایسی محبت رکھے، جو دنیا کے تمام لوگوں اور چیزوں سے زیادہ اور غالب ہو، حتیٰ کہ اپنے ماں باپ، بیوی، بچے، رشتے دار، دوست احباب سب سے بڑھ کر ہو۔

چناں چہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« ثَلاَثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلاَوَةَ الإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لاَ يُحِبُّهُ إِلاَّ لِلَّهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ. » (۱)

(تین خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس میں پائی جائیں اسے ایمان کی

---

(۱) صحيح البخاري:۱۶، صحيح مسلم:۱۷۴، سنن الترمذي:۲۶۲۴، سنن النسائي:۴۹۸۸، سنن ابن ماجه:۴۰۳۳، مسند أحمد:۱۲۰۲۱

حلاوت نصیب ہوگی: جو شخص اللہ اور رسول کو ماسوا؛ تمام چیزوں سے زیادہ
محبوب رکھے اور جو شخص نیک آدمی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے اور
جو شخص کفر میں جانے کو اس طرح برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا
سمجھتا ہے۔)

اس حدیث میں تین اعمال پر حلاوت ملنے کا ذکر ہے اور ان میں سے ایک عمل یہ کہ اللہ سے بے پناہ محبت رکھے اور تمام اشخاص اور چیزوں سے زیادہ محبت رکھے اور حلاوت کے بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

”و قد ورد: أن حلاوةَ الإيمانِ إذا دَخَلَتْ قلباً لاتخرجُ
منه أبداً ، ففيه إشارةٌ إلى بَشَارةِ حُسْنِ الخاتمة له. (۱)
(بعض روایات میں ہے کہ ”جب ایمان کی حلاوت قلب میں داخل
ہوجاتی ہے، تو پھر کبھی دل سے نہیں نکلتی“؛ لہٰذا اس حدیث میں ان لوگوں
کے لیے حسنِ خاتمہ کی جانب اشارہ موجود ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ورسول کی محبت غالبہ سے ایک مؤمن کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔

اہل اللہ کی محبت

حسنِ انجام کا سبب بننے والے اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ والوں اور نیک و متقی لوگوں سے محبت رکھے۔

احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دعائیں منقول ہیں، ان میں سے ایک دعا یہ بھی ملتی ہے:

” اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَکَ.“ (۲)
(اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا کیجیے اور ان لوگوں کی محبت بھی دیجیے
جن کی محبت آپ کے نزدیک کام آئے گی۔)

---

(۱) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۱/۱۴۱
(۲) سنن الترمذي: ۳۸۲۹

قابلِ غور یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی دعا میں دو قسم کی محبتوں کا سوال کیا ہے: ایک اللہ تعالیٰ کی محبت کا اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کی محبت کا جن کی محبت اللہ کے نزدیک کام آنے والی ہے۔

معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی محبت اللہ کے پاس کام آئے گی اور وہ کام کیا ہے کہ نجات ملے گی یا درجات کی بلندی ہوگی؛ بہ ہر صورت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکوں کی محبت کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کامیابی کی شکل میں ظاہر ہوگا اور یہ خاتمہ بالخیر کے بغیر ممکن نہیں؛ لہٰذا اللہ والوں کی محبت خاتمہ بالخیر کا ایک سبب ہے۔

اور ہماری اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو ابھی گزری کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تین خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس میں پائی جائیں، اسے ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی: جو شخص اللہ اور رسول کو ما سوا تمام چیزوں سے زیادہ محبوب رکھے اور جو شخص نیک لوگوں سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے اور جو شخص کفر میں جانے کو اس طرح برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

اور اوپر ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اس حدیث میں ان اعمالِ صالحہ پر جو حلاوتِ ایمانی کے نصیب ہونے کی بشارت ہے، اس میں اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ اس آدمی کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوگا؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی محبت بھی ان امور میں سے ہے، جن پر حلاوتِ ایمانی نصیب ہوتی ہے اور جس کو یہ حلاوت نصیب ہوتی ہے، اسے خاتمہ بالخیر بھی نصیب ہوتا ہے۔

اذان کی دعا

اذان کے بعد جو دعا وارد ہوئی ہے، اس کے اہتمام پر یہ بشارت آئی ہے کہ یہ دعا پڑھنے والا نبیِ کریم ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہوگا۔

چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی؛ اس کے لیے میری شفاعت جائز ہوگئی اور وہ دعا یہ ہے:

" اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ إِلَّا حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ."(۱)

اس حدیث صحیح میں اذان کی دعا کا اہتمام کرنے پر نبی کریم ﷺ نے اپنی شفاعت کا وعدہ کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بخشا جائے گا اور اس کو خاتمہ بالخیر نصیب ہوگا، چناں چہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے۔(۲)

درود کا اہتمام

نبی کریم ﷺ پر درود شریف پر بھی حدیث میں شفاعت کی بشارت سنائی گئی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

« مَنْ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَقَالَ: اللّٰهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي. »

(جس نے محمد ﷺ پر درود بھیجا اور کہا: "اللّٰهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" تو اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہوگئی۔)(۳)

اس حدیث کی بعض سندوں کو امام ہیثمی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی منذری اور ابن حجر رحمہ اللہ سے اس کی بعض سندوں کا حسن ہونا بیان کیا ہے۔(۴)

---

(۱) صحيح البخاري :۶۱۴، سنن أبي داود :۵۲۹، سنن الترمذي :۲۱۱،النسائي:۶۸۰، ابن ماجه:۷۲۲، أحمد:۱۴۸۵۹، صحيح ابن خزيمة:۴۲۰، صحيح ابن حبان:۱۶۸۹

(۲) مرقاة المفاتيح: ۲/۳۳۱

(۳) مسند أحمد:۱۷۰۳۲، مسند البزار:۲۳۱۵، المعجم الكبير للطبراني:۴۴۵۳

(۴) مجمع الزوائد:۱۰/۲۵۴،مرقاة المفاتيح:۳/۱۸

اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ درود پڑھنے پر رسول اللہ ﷺ نے شفاعت کا وعدہ کیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ اس درود کے پڑھنے والے کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوگا۔(۱)

صبح اور مغرب کے بعد جہنم سے خلاصی کی دعا

صحابیٔ رسول: حضرت مسلم التمیمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے آہستہ سے فرمایا کہ

> ''جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو جاؤ، تو کسی سے بات چیت کرنے سے پہلے سات بار یہ دعا پڑھ لو: ''اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ'' (اے اللہ! مجھے دوزخ سے نجات عطا فرما) پس اگر تم نے یہ پڑھا اور اسی رات تمھاری موت ہوگئی، تو تمھارے لیے جہنم سے خلاصی مقدر کردی جائے گی اور جب صبح کی نماز سے فارغ ہوکر اس کو اسی طرح کسی سے بات کرنے سے پہلے پڑھ لو؛ تو اگر اسی دن تمھاری موت ہوگئی؛ تو تمھارے لیے جہنم سے خلاصی مقدر ہو جائے گی۔''(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ اوقات میں اس عمل سے جہنم سے خلاصی ملتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جہنم سے خلاصی اسی کو میسر ہوسکتی ہے، جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو۔ چناں چہ ملا علی قاری رحمہ اللہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اشارہ ہے اس شخص کے حسنِ خاتمہ کی جانب جو اس کو پڑھتا ہے۔(۳)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح:۱۸/۳

(۲) أبو داود: ۵۰۸۱، احمد :۱۸۰۸۳، صحیح ابن حبان :۲۰۲۲، السنن الکبری للنسائي :۹۸۵۹، المعجم الکبیر للطبراني : ۱۶۳۹۶، اس حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب ''نتائج الافکار'' میں حسن قرار دیا ہے(نتائج الأفکار:۳۲۶/۲)

(۳) مرقاۃ المفاتیح: ۳۰۸/۵

باوضو دعا پڑھ کر سونے پر بشارت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ
"جب تم اپنے بستر پر آؤ، تو نماز کے وضو کی طرح وضو کرو، پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ اور یہ دعا پڑھو:

" اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَهْبَةً وَرَغْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ."

ترجمہ: اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی اور میں نے اپنا چہرہ تیری طرف کر دیا اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا اور میں نے تجھے اپنا پشت پناہ بنا لیا تیری (رحمت کی) رغبت اور تیرے عذاب کے خوف کی وجہ سے اور (تیری پکڑ سے بچنے کا) تیری رحمت کے سوا کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ نہیں ہے اور جو کتاب تو نے اتاری ہے اس پر میں ایمان لے آیا اور جو نبی تو نے بھیجا ہے اس پر بھی میں لے آیا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کو موت آئے گی؛ تو تم فطرت پر مرو گے۔(۱)

اس حدیث میں سونے کے وقت مذکورہ دعا کے پڑھنے کا اہتمام کرنے پر فطرت پر موت ہونے کی بشارت ہے۔

بہت سے حضراتِ علمائے کرام اور شراحِ حدیث نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں "فطرت پر موت" سے دینِ اسلام پر موت مراد ہے۔(۲)

لہٰذا وضو کر کے سونا اور سونے سے قبل یہ دعا پڑھنا بھی خاتمہ بالخیر کے اسباب میں سے

(۱) صحيح البخاري: ۵۳۱۳، صحيح مسلم: ۷۰۵۹، سنن أبي داود: ۵۰۴۸، سنن الترمذي: ۳۳۹۴، سنن ابن ماجه: ۳۸۷۲، مسند أحمد: ۸۶۱۰

(۲) فتح الباري: ۱۱/۱۱۱، شرح ابن بطال: ۱/۳۶۶، إكمال المعلم: ۸/۱۰۲

ایک سبب ہے۔

مدینۂ طیبہ میں قیام اور وہاں موت کا پانا

مدینۃ الرسول –زادھا اللّٰہ شرفاً و کرامۃً– کا قیام اور وہاں موت کا پانا بھی ایک وجہ وسبب ہے، جس سے یہ دولت نصیب ہوتی ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

”مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَمُوتَ بِالْمَدِينَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا؛ فَإِنِّي أَشْفَعُ لَهُ، أَوْ أَشْهَدُ لَهُ.(۱)

(جو شخص اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ مدینے میں موت پائے، تو اس کو چاہیے کہ وہ وہاں جا کر موت پائے؛ کیوں کہ میں اس کے حق میں شفاعت کروں گا یا میں اس کے حق میں گواہی دوں گا۔)

علامہ عبدالرؤف المناوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ سمہودی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ

”و فيهِ بُشْرىٰ لِلسَّاكِنِ بِهَا بِالْمَوْتِ عَلَى الإِسْلَامِ لاخْتِصَاصِ الشَّفَاعَةِ بِالْمُسْلِمِيْنَ، وَ كَفٰى بِهَا مَزِيَّةً، فَكُلُّ مَنْ مَاتَ بِهَا فَهُوَ مُبَشَّرٌ بِذٰلِكَ.“(۲)

(اس حدیث میں مدینے میں رہنے والے کو اسلام پر موت ہونے کی بشارت ہے؛ کیوں کہ شفاعت تو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، پس مدینے کی یہ خصوصیت کافی ہے؛ لہٰذا ہر وہ شخص جو مدینے میں وفات پائے، وہ اس بشارت کا مستحق ہے۔)

---

(۱) سنن الترمذي: ۳۹۱۷، سنن ابن ماجه: ۳۱۱۲، مسند أحمد: ۵۴۳۷، ابن حبان: ۳۷۴۱، مسند البزار: ۵۸۴۲، السنن الكبرى للنسائي: ۴۲۷۱، المعجم الكبير للطبراني: ۲۰۲۷۹

(۲) فيض القدير: ۶/۷۰

مدینے کا قیام اور وہاں تکالیف پر صبر

متعدد احادیث میں مدینہ طیبہ میں قیام کرنے اور وہاں کی آب وہوا اور وہاں پیش آنے والی کلفتوں پر صبر کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

«لا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلَى لَأْوَائِهَا ، وَجَهْدِهَا إِلا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا ، أَوْ شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ .» (۱)

(کوئی بھی شخص مدینے کی بھوک و پیاس کی شدت اور اس کی تکلیف میں ثابت قدم نہیں رہے گا؛ مگر میں قیامت کے دن ضرور اس کے حق میں سفارشی اور گواہ ہوں گا۔)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس میں حسنِ انجام کی بشارت ہے۔ (۲)

یتیم کی کفالت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ، أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَ هُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ.» (۳)

(یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں ان دو انگلیوں (یہ کہتے ہوئے آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی کو دکھایا) کی طرح قریب ہوں گے۔)

---

(۱) صحیح مسلم: ۳۳۸۴، مسند أحمد :۷۸۵۲، صحیح ابن حبان :۳۷۳۹، مسند البزار:۷۹۷۷، السنن الكبرى للنسائي:۴۲۶۶، مسند أبي يعلى:۵۹۴۳

(۲) مرقاۃ المفاتیح: ۶۲۰/۵

(۳) موطأ مالک: ۱۷۰۰، صحيح البخاري: ۶۰۰۵، صحیح مسلم: ۷۶۶۰، أبو داود:۵۱۵۲، الترمذي:۱۹۱۸، أحمد:۸۸۶۸، ابن حبان: ۴۶۰

ایک حدیث میں ہے کہ

«أَنَا وَ امْرَأَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ—وَ أَوْمَأَ يَزِيدُ بِالْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ—امْرَأَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ وَ جَمَالٍ حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلَى يَتَامَاهَا ، حَتَّى بَانُوا أَوْ مَاتُوا .»(۱)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور وہ عورت جس کے گالوں کا رنگ جل گیا ہو، قیامت کے دن اس طرح ہوں گے یہ کہتے ہوئے راویٔ حدیث حضرت یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیچ کی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا یعنی وہ صاحب جمال اور حسب ونسب والی عورت جو اپنے شوہر کے مرنے سے بیوہ ہوگئی ہو اور اس نے اپنی یتیم اولاد کی تعلیم وتربیت کے لیے خود کو ان پر لگا دیا ہو؛ یہاں تک کہ وہ اولاد بڑی ہو جائے یا انتقال کر جائے۔)

مطلب یہ ہے کہ جس کا شوہر اولاد چھوڑ کر انتقال کر جائے اور اس کی بیوہ بیوی اپنی اولاد کی خاطر کسی اور سے نکاح کرنے کے بجائے ان کی تعلیم وتربیت میں لگی رہے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ زیب وزینت اور بناؤ سنگار چھوڑ دے اور اس کا رنگ بھی جل جائے، ایسی عورت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بشارت سنائی ہے کہ وہ اور میں ان دو قریبی انگلیوں (شہادت کی اور بیچ کی انگلیوں) کی طرح جنت میں ہوں گے۔

الغرض ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والے کو یہ عظیم بشارت دی گئی ہے اور اس میں ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے حق میں حسنِ خاتمہ کی بھی بشارت ہے، جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ایک اور اسی معنے کی حدیث کے تحت ''مرقاۃ'' میں بیان کیا ہے کہ ''وفي الحديث إشارة إلى بشارة حسن الخاتمة ''(اس حدیث

(۱) سنن أبي داود: ۵۱۵۱، مسند أحمد: ۲۴۰۵۲، الأدب المفرد: ۱۴۱، المعجم الكبير للطبراني: ۱۴۵۳۰

میں حسنِ خاتمہ کی بشارت کی جانب اشارہ ہے۔)(۱)

سید الاستغفار سے حسنِ خاتمہ

سید الاستغفار کا اہتمام بھی ایک اہم عمل ہے، جس پر حسنِ خاتمہ کی بشارت سنائی گئی ہے۔ چناں چہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ جو شخص صبح یا شام اس کو پڑھے گا، اگر اس کا انتقال اسی دن یا رات میں ہو جائے، تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اور سید الاستغفار یہ ہے:

" اللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَ أَنَا عَبْدُکَ وَ أَنَا عَلَى عَهْدِکَ وَ وَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَيَّ، وَ أَبُوْءُ لَکَ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِيْ فَإِنَّهُ لاَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلاَّ أَنْتَ."(۲)

(اے اللہ! آپ ہی میرے پروردگار ہیں- آپ کے سوا کوئی معبود نہیں- آپ ہی نے مجھے پیدا کیا اور میں آپ کا بندہ ہوں اور میں آپ کے معاہدے اور وعدے کا پابند ہوں، جہاں تک کہ میرے بس میں ہے۔ میں آپ کی پناہ لیتا ہوں ہر اس شر سے جس کا میں مرتکب ہوا ہوں، میں اعتراف کرتا ہوں آپ کی نعمت کا جو آپ نے مجھ پر کی ہے اور میں میرے گناہ کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ پس میری مغفرت فرما دیجیے؛ کیوں کہ آپ کے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے۔)

اس حدیثِ نبوی میں "سید الاستغفار" کی بڑی اہم خصوصیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ جو شخص صبح و شام اس کے پڑھنے کا اہتمام کرتا ہے، اگر اسی دن یا رات اس کا

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۹/ ۱۸۶

(۲) صحيح البخاري: ۶۳۰۶، سنن أبي داود: ۵۰۷۲، سنن الترمذي: ۳۳۹۳، سنن النسائي: ۵۵۲۲، سنن ابن ماجه: ۳۸۷۲، مسند أحمد: ۱۷۱۵۲

انتقال ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جنت میں وہی جاتا ہے، جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو۔

صلہ رحمی کی وجہ سے بری موت سے حفاظت

خاتمہ بالخیر کا ایک اہم عمل یہ ہے کہ رشتے داروں سے اچھا سلوک کرے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُمَدَّ لَهُ فِيْ عُمْرِهِ وَ يُوَسَّعَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَ يُدْفَعَ عَنْهُ مِيْتَةَ السُّوْءِ ، فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَ لْيَصِلْ رَحِمَهُ» (۱)

(جس کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ اس کی عمر دراز ہو، رزق وسیع ہو اور بری موت سے حفاظت ہو؛ تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے۔)

صدقہ بری موت سے حفاظت کا ذریعہ

صدقہ بھی بری موت سے حفاظت کا ذریعہ ہے، چناں چہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ ، وَ تَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ» (۲)

(بے شک صدقہ رب کے غصے کو بجھاتا اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔)

یہ چند اہم اعمال وعبادات حسنِ خاتمے کی بشارت سے متعلق یہاں ذکر کیے گئے ہیں، ویسے اس سلسلے میں احادیث میں اور بھی اعمال ملتے ہیں، جن پر حسنِ خاتمے کی بشارت سنائی گئی ہے؛ مگر یہاں سب کا احاطہ مقصود نہیں ہے؛ بل کہ بہ طور مثال چند کا تذکرہ مقصود ہے۔

خاتمہ بالخیر کے متمنی کے لیے یہ بڑی خوشی ومسرت کا موقع ہے کہ وہ ان اعمالِ مسنونہ کی پابندی کر کے خاتمہ بالخیر کو پہنچے۔

---

(۱) مسند أحمد:۱۳۱۳، المعجم الأوسط للطبراني:۳۰۱۴

(۲) الترمذي:۶۶۴، ابن حبان:۳۳۰۹

فصل پنجم

سوئے خاتمے کے اسباب

یہاں تک حسنِ خاتمے کے اسباب و وسائل کا ذکر تھا، اب ہم سوئے خاتمے کے اسباب و بواعث ذکر کرتے ہیں؛ تاکہ ان امور سے بچا جائے۔

قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی بدعملی و بے راہ روی، خواہ وہ عقیدے کے حوالے سے ہو یا عمل کے لحاظ سے ہو، پھر عمل میں خواہ عبادات سے متعلق ہو یا معاشرت یا معاملات واخلاق سے متعلق ہو، یہی بدعملی و بے راہ روی انسان کے لیے سوئے خاتمے کا سبب بن جاتی ہے۔

چناں چہ قرآنِ کریم میں سینکڑوں آیات میں بدعملی و بے راہ روی کے طرز پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے، اسی طرح احادیثِ نبویہ میں کثرت کے ساتھ یہ مضمون وارد ہوا ہے، جس کا حاصل یہی ہے کہ ان برائیوں اور خبائث پر انسان سوئے خاتمہ کا شکار ہوسکتا ہے اور اسے ایمان سے محروم کیا جاسکتا ہے۔

قرآنِ کریم کا بیان

اس سلسلے میں یہاں چند آیات مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں، جن سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ﴿سُوْرَةِ الرَّعْدِ﴾ میں ارشاد فرمایا ہے کہ

﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ

اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ.﴾

(اور جو لوگ اللہ کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد اسے توڑتے ہیں اور جن چیزوں کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور ان کے لیے برا ٹھکانا ہے۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کو وعید سنائی ہے: ایک ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پامال کرتے ہیں اور اسے پورا نہیں کرتے، دوسرے ان کو جو صلہ رحمی اور رشتہ داری کا پاس ولحاظ نہیں کرتے اور تیسرے ان کو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، ظلم وزیادتی، خون ریزی، قتل وغارت گری کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم کا تعلق ایمان وعقیدے اور عبادات میں بے راہ روی سے ہے، دوسری کا معاشرت واخلاق کے باب میں بد عملی سے ہے اور تیسری کا تعلق ملی وملکی معاملات میں خلل اندازی سے ہے۔

ایسے سبھی لوگوں کو اس آیت میں سوءِ دار یعنی جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا سبب سوئے خاتمہ ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں سوء الدار کی تفسیر سوئے عاقبت سے کی ہے، جیسا کہ امام ابن جریر طبری نے اپنی ''جامع البیان'' میں اور علامہ سیوطی نے ''الدر المنثور'' میں اور شوکانی نے ''فتح القدیر'' میں ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔(۱)

یہ اور ان جیسی بے شمار آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ گناہ پر اصرار ایک ایسی سخت چیز ہے، جو انجام کار سوئے عاقبت تک پہنچا دیتی ہے؛ لہٰذا گناہ خواہ ظاہری ہوں یا باطنی؛ ان سے اجتناب واحتیاط لازم ہے؛ تاکہ خاتمہ بالخیر نصیب ہو اور سوئے خاتمے سے حفاظت ہو۔

(۱) تفسیر الطبري: ۴۲۸/۱۶، الدر المنثور: ۴۳۳/۸، فتح القدیر: ۱۰۸/۴

علامہ عبدالحق اشبیلی رحمہ اللہ کا بیان

علامہ عبدالحق الاشبیلی رحمہ اللہ نے ''العاقبة في ذكر الموت'' میں لکھا ہے کہ

"وَ اعْلَمْ أَنَّ لِسُوءِ الْخَاتِمَةِ -أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا- أَسْبَابًا، وَلَهَا طُرُقٌ وَأَبْوَابٌ، أَعْظَمُهَا الِانْكِبَابُ عَلَى الدُّنْيَا، وَالْإِعْرَاضُ عَنِ الْأُخْرَى، وَالْإِقْدَامُ وَالْجُرْأَةُ عَلَى مَعَاصِي اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَ رُبَّمَا غَلَبَ عَلَى الْإِنْسَانِ ضَرْبٌ مِنَ الْخَطِيئَةِ، وَنَوْعٌ مِنَ الْمَعْصِيَةِ، وَجَانِبٌ مِنَ الْإِعْرَاضِ، وَنَصِيبٌ مِنَ الْجُرْأَةِ وَالْإِقْدَامِ، فَمَلَكَ قَلْبَهُ، وَسَبَى عَقْلَهُ وَ أَطْفَأَ نُورَهُ وَ أَرْسَلَ عَلَيْهِ حُجُبَهُ، فَلَمْ تَنْفَعْ فِيهِ تَذْكِرَةٌ، وَ لَا نَجَحَتْ فِيهِ مَوْعِظَةٌ، فَرُبَّمَا جَاءَهُ الْمَوْتُ عَلَى ذَلِكَ، فَسَمِعَ النِّدَاءَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ، فَلَمْ يَتَبَيَّنْ لَهُ الْمُرَادُ، وَلَا عَلِمَ مَا أَرَادَ، وَإِنْ كَرَّرَ عَلَيْهِ الدَّاعِي وَ أَعَادَ."(۱)

(جان لو کہ سوئے خاتمے-اللہ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے- کے کئی اسباب، طریقے اور ابواب ہیں۔ ان اسباب میں سے بڑا سبب دنیا میں انہماک، آخرت سے اعراض، اللہ کی نافرمانی پر اقدام وجرات ہے۔ اور بسا اوقات انسان پر گناہ کی کوئی خاص قسم، معصیت کی کوئی شکل، اعراض کی کوئی جانب اور گناہوں پر اقدام اور جرأت کا کوئی خاص حصہ غالب ہوجاتا ہے، پھر وہ اس کے دل پر قبضہ جما لیتا، اس کی عقل کو غلام بنا لیتا، اس کے دل کے نور کو بجھا دیتا اور اپنے حجابات اس پر ڈال دیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اس کو نہ کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے، نہ کوئی پند ووعظ مفید وکامیاب ہوتا ہے اور بسا اوقات اسی حالت پر اسے موت آجاتی

---

(۱) العاقبة في ذكر الموت: ۱۷۸

ہے اور کچھ دور سے اسے موت کی ندا بھی دی جاتی ہے؛ مگر وہ اس کا مقصد نہیں سمجھتا اور نہ مراد کو پاتا ہے، اس وقت اگر چہ اللہ کا فرشتہ بار بار اس کو پکارتا ہے؛ مگر سب بے سود رہتا ہے۔)

علامہ عبدالحق اشبیلی رحمہ اللہ اسی کتاب ''العاقبة في ذكر الموت'' میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ

''جس کا ظاہر اچھا ہو اور اس کا باطن صالح ہو؛ وہ سوئے خاتمہ -اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے- کا شکار نہیں ہوتا، برا خاتمہ اس کا ہوتا ہے، جس کا عقیدہ صحیح نہ ہو اور وہ گناہِ کبیرہ پر اصرار کرتا ہو۔ جس شخص پر گناہ غلبہ پالیتا ہے، توبہ سے پہلے ہی اسے موت آ دبوچتی ہے، اصلاح وانابت اور رجوع الی اللہ سے پہلے ہی موت اس کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ ایسے شخص پر نزع وسکرات میں موت کے وقت شیطان غالب آ جاتا ہے اور خاتمہ بالخیر سے ہٹا دیتا ہے۔ العیاذ باللہ۔''(۱)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا بیان

اس سلسلے میں علامہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب: ''الجواب الكافي'' میں فرماتے ہیں کہ

''اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ عالمِ نزع میں حسنِ خاتمہ اور انسان کے درمیان بدعملیاں اور گناہ بہ طور عقوبت وسزا حائل ہو جاتے ہیں اور ان ہی گناہوں کی وجہ سے انسان کو خاتمہ بالخیر کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔''(۲)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی ایک نادر تحقیق

اس موقع پر علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ایک نادر تحقیق پیش کی ہے، جو نہایت ہی قابل

(۱) العاقبة في ذكر الموت:۱۸۰

(۲) الجواب الكافي:۱۶۶

توجہ ہے اوران کی یہ تحقیق کئی صفحات پر مشتمل ہے، ہم یہاں اہم اقتباسات لے کران کے بیان کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔ و ھو ھذا

''جب انسان گناہ پر گناہ کرتا اوراس پر اصرار کرتا جاتا ہے، تو خوداس کے اعضا، قلب و نفس، ہاتھ پیر وغیرہ خود اس سے بغاوت کرتے ہیں، معاصی سے قلب زنگ آلود ہوجاتا ہے اوروہ اپاہج جیسا ہو جاتا ہے اور جب دشمن سے لڑنے کی نوبت آتی ہے، تو مقابلے کے لیے کوئی چیز نہیں پاتا۔ اسی طرح نفس بھی شہوات و خواہشات کا خوگر ہوکر ناپاک و خبیث ہوجاتا ہے اوراس کی قوت ختم ہوجاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب ایک گنہ گار آدمی معصیت میں مبتلا ہوجاتا ہے، تواس کا دل، نفس اوراعضا اس سے بے وفائی کرتے ہیں اوران امور میں جو اس کے حق میں مفید ہوتے ہیں، خیانت کرتے ہیں اوراس سے زیادہ خطرناک اور دردانگیز پہلواس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ جب اس دنیا سے رخصت ہوکر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کی تیاری کرتا ہے اوراس پر حالتِ نزع طاری ہوتی ہے، تواس وقت اس کے یہ اعضا اس سے بے وفائی کرتے ہیں اور بسا اوقات اس کی زبان پر کلمۂ شہادت بھی جاری نہیں ہوتا۔ علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ- جب شیطان نے انسان کواس کے حضورِ ذہن، قوتِ دماغ اور قوتِ ادراک کے وقت اپنی مرضی کے مطابق اللہ کی معصیت میں استعمال کرلیا اوراس کے دل کو اللہ کے ذکر سے غافل کردیا اوراس کی زبان کواس کے ذکر سے اوراعضا کواس کی اطاعت سے معطل کردیا، تو کیا خیال ہے اس وقت کے بارے میں جب کہ انسان کی قوت و طاقت کمزور ہوجائے اوراس کا دل و نفس نزع کی تکلیف و پریشانی میں مشغول ہو؟ اور شیطان اپنا سارا لاؤلشکر اور قوت کو جمع کر کے اس کو اچک لینے کے لیے آدھمکا ہو؛ کیوں کہ یہ بندے کا آخری عمل ہوتا

ہے اور شیطان اس کے حق میں سب سے زیادہ سخت اسی وقت ہوتا ہے؟
اب بتاؤ کہ وہ کیسے بچ سکتا ہے؟ پس کیسے وہ شخص حسنِ خاتمہ کی توفیق پا سکتا ہے، جس کے دل کو اللہ نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہو اور وہ خواہشات کے پیچھے چلتا ہو اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہو؟ پس جس کا دل اللہ سے دور ہو، غافل ہو، وہ اپنی خواہشات کا غلام اور لذات کا اسیر ہو اور اس کی زبان اللہ کے ذکر سے خشک ہو اور اس کے اعضاو جوارح اللہ کی طاعت سے معطل اور معصیت میں مشغول ہوں، ایسے شخص سے یہ بات بہت بعید ہوتی ہے کہ اس کو حسنِ خاتمہ کی توفیق میسر آئے۔(۱)

گناہ کس طرح سوئے خاتمہ کا سبب بنتے ہیں؟

''مجالس الابرار'' کے حوالے سے علامہ صدیق حسن خان صاحب قنوجی نے لکھا ہے:

''سوئے خاتمہ کا ایک سبب گناہوں پر اصرار ہے، کیوں کہ جو شخص گناہ پر اصرار کرتا ہے، اس کو گناہوں سے ایک قلبی تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور انسان اپنی تمام عمر میں جن چیزوں سے الفت و تعلق پیدا کر لیتا ہے، وہ سب باتیں موت کے وقت اسے یاد آتی ہیں، اگر اس کا میلان طاعات کی جانب زیادہ تھا، تو موت کے وقت نیکیاں ہی یاد آتی ہیں اور اگر معاصی کی جانب زیادہ میلان تھا، تو موت کے وقت وہی یاد آتی ہیں۔ پس بسا اوقات موت کے وقت توبہ سے پہلے پہلے خواہشات اور معاصی میں سے کسی معصیت کا غلبہ ہوتا ہے اور دل اسی میں مقید ہو جاتا ہے اور یہ بات اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب بن جاتی ہے اور آخری عمر میں بد بختی کا سبب بن جاتی ہے؛ پھر اس کی ایک مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

(۱) الجواب الكافي: ۹۰-۹۳

انسان بلاشبہ خواب میں وہی چیزیں دیکھتا ہے، جو اس کی عمر میں اس سے تعلق رکھتی ہیں؛ یہاں تک کہ جو شخص اپنی زندگی علم میں گزارتا ہے، وہ خواب میں علم اور علما سے متعلق احوال دیکھتا ہے اور جو شخص اپنی زندگی کپڑے سینے میں گزارتا ہے، وہ خواب میں بھی درزی اور درزیوں کے حالات ہی دیکھتا ہے؛ کیوں کہ انسان کو سونے کی حالت میں وہی مستحضر ہوتا ہے، جس سے اس کے دل کو مناسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح معاصی سے ایک لمبی مدت تک تعلق اور الفت بھی موت کے وقت ان گناہوں کے یاد آنے کا سبب ہوتا ہے اور دل میں ان سے محبت و تعلق پیدا کرتا ہے۔ پس اگر اسی حالت میں روح قبض ہوگئی، تو یہ سوئے خاتمہ پر مرتا ہے۔(۱)

بہ ہر حال ان تفاصیل سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ گناہ پر اصرار اور ان سے دلی تعلق بھی سوئے خاتمے کا بڑا سبب ہے۔

ایک منافق کا عبرت ناک انجام

اس موقع پر ایک عبرت ناک واقعہ حدیث اور سیر کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ سوئے خاتمہ کا بدعملی سے کیسا تعلق ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق شخص رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ثعلبہ بن حاطب انصاری نامی تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ آپ دعا کردیں کہ میں مال دار ہوجاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمھیں میرا طریقہ پسند نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر میں چاہتا؛ تو مدینے کے پہاڑ سونا بن کر میرے سامنے پھرتے؛ لیکن مجھے ایسی مال داری پسند نہیں۔ یہ سن کر وہ شخص چلا گیا؛ مگر دوبارہ پھر آیا اور وہی درخواست پیش کیا کہ اگر مجھے مال مل جائے؛ تو میں ہر حق دار کو

(۱) يقظة أولي الاعتبار للعلامة صديق حسن خان:۲۱۲

اس کا حق پہنچاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی، جس کی برکت سے اس کی بکریوں میں بے پناہ اضافہ ہوا، یہاں تک کہ مدینے کی جگہ اس کے لیے تنگ ہوگئی؛ لہٰذا وہ شخص شہر سے باہر جا کر رہنے لگا اور ظہر و عصر کی نمازیں مدینے میں آپ کے ساتھ پڑھتا اور باقی نمازیں بلا جماعت وہیں پڑھ لیتا تھا۔

پھر ان ہی بکریوں میں مزید اضافہ ہوا اور وہ اور دور چلا گیا اور اب صرف جمعہ کو حاضر ہونے لگا اور مال میں مزید اضافہ ہوا؛ تو اور دور چلا گیا اور پھر جماعت بھی چھوڑ دیا اور جمعہ میں حاضری بھی چھوڑ دی۔

کچھ عرصے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے احوال جاننے کے لیے لوگوں کو بھیجا، تو لوگوں نے آ کر آپ کو اس کے احوال کی خبر دی، تو آپ نے تین بار فرمایا کہ یا ویح ثعلبہ! (ثعلبہ پر افسوس ہے!) پھر جب صدقات کا حکم نازل ہوا، تو آپ نے اس سے صدقہ وصول کرنے کے لیے صحابہ کو بھیجا، اس نے کہا کہ یہ تو جزیہ ہوگیا، جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے، ان صحابہ نے مدینہ لوٹ کر اللہ کے رسول ﷺ کو اس کا حال اور جواب بتایا، تو آپ نے پھر وہی کہا کہ ثعلبہ پر افسوس۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ثعلبہ کے بارے میں فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس؛ تو وہاں اس کے کچھ عزیز بھی موجود تھے اور ان میں سے ایک شخص نے فوراً سفر کر کے ثعلبہ کو اس کی خبر دی اور اسے ملامت کی اور کہا کہ تیرے بارے میں قرآن کی آیات بھی نازل ہوئی ہیں، تو وہ گھبرایا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور صدقہ قبول کرنے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ یہ سن کر وہ سر پر خاک ڈالنے لگا۔ اس کے چند دنوں کے بعد ہی اللہ کے رسول ﷺ کی وفات ہوگئی اور وہ حضرت ابو بکر کی خدمت میں صدقہ لے کر آیا اور پیش کیا، آپ نے بھی انکار کر دیا اور پھر حضرت عمر کے دور میں بھی صدقہ لایا اور آپ نے بھی انکار کر دیا اور پھر حضرت عثمان کے دور میں ان کی خدمت میں بھی صدقہ لا کر پیش کیا اور

انھوں نے بھی انکار کردیا اور خلافتِ عثمانی کے دور میں ہی اس کا انتقال ہوگیا۔(۱)

قرآنِ کریم میں ﴿سُوْرَةُ التَّوْبَة﴾ کی یہ آیات اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ، فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ، فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ.﴾

(ان منافقین میں سے بعض ایسے ہیں، جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے مال دیا؛ تو ہم خوب صدقہ دیا کریں گے اور ہم نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے، پس جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا، تو بخل کرنے لگے اور اطاعت سے روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی ہی کے عادی ہیں، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کردیا، جو خدا کے پاس جانے تک رہے گا، اس سبب سے کہ انھوں نے خدا سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔)

اس واقعے سے یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ بدعملی اور گناہ نے اس کو نفاق تک پہنچایا اور پھر وہ اسی حالت میں موت کے گھاٹ اتر گیا اور سوئے خاتمہ کا شکار ہوا۔ اللھم احفظنا من شرور أنفسنا و من سیئات أعمالنا۔

گناہ اور سوئے خاتمہ-حضرت عثمان غنی ﷜ کا ارشاد

حضرت عثمان غنی ﷜ نے فرمایا کہ شراب سے بچو؛ کیوں کہ وہ ام الخبائث ہے، تم سے پہلے لوگوں میں ایک عابد وزاہد شخص تھا، ایک زانیہ عورت اس کے پیچھے پڑ گئی اور اپنی باندی کو اس کے پاس بھیجا کہ ایک مسئلے میں گواہی کے سلسلے میں تمھاری ضرورت ہے، لہٰذا آؤ، وہ

(۱) معارف القرآن:۴/۴۲۶-۴۲۷

شخص باندی کے ساتھ اس عورت کے پاس گیا، جب وہ اس کے گھر میں داخل ہوا؛ تو اس باندی نے دروازہ بند کردیا اور اس کو ایک خوب صورت عورت کے پاس اندر پہنچا دیا جہاں ایک غلام اور ایک شراب کا برتن رکھا ہوا تھا۔ اس عورت نے اس عابد وزاہد سے کہا، کہ میں نے تمھیں گواہی کے لیے نہیں؛ بل کہ اس لیے بلایا ہے کہ یا تو میری خواہش پوری کرو یا شراب پی لو یا اس غلام کو قتل کرو۔ اس نے کہا کہ شراب کا ایک پیالہ مجھے پلادو، اس نے شراب کا پیالہ پلایا؛ تو اس نے کہا کہ مزید پلاؤ، یہاں تک کہ شراب میں مست ہوکر اس نے اس عورت سے زنا بھی کیا اور اس غلام کو قتل بھی کردیا۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ پس تم لوگ شراب سے بچو؛ کیوں کہ خدا کی قسم! ایمان اور شراب کی عادت دونوں جمع نہیں ہوتے، ان میں سے ایک اس آدمی میں سے نکل جاتا ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے کی عادت ایسا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے۔

گناہ سے برے انجام کا ایک عبرت خیز واقعہ

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا ایک شاگرد تھا، جو بڑا عالم وفاضل شخص تھا، جب اس کی وفات کا وقت آیا، تو حضرت فضیل اس کی عیادت کو گئے، دیکھا کہ نزع کا عالم ہے۔ حضرت فضیل اس کے سرہانے بیٹھ کر ﴿سُورَةُ يٰسٓ﴾ پڑھنے لگے اور اس سے فرمایا کہ کیوں نہیں تم بھی یہ سورت پڑھتے؟ وہ خاموش رہا، پھر آپ نے اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کی، تو وہ کہنے لگا کہ میں کسی بھی وقت یہ نہیں کہوں گا اور پھر اسی حال میں اس کو موت آ گئی۔ یہ دل دہلا دینے والا منظر دیکھ کر حضرت فضیل اپنے گھر میں داخل ہوگئے اور چالیس دن تک روتے رہے۔ پھر ایک دن اس کو خواب میں دیکھا کہ اسے جہنم کی جانب لے جایا جارہا ہے۔ اللہ ہم سب کو بچائے۔ حضرت فضیل نے اس سے پوچھا کہ کس وجہ سے تیرے اندر سے نورِ

(۱) السنن الصغرى للنسائي:٥٦٦٦، السنن الكبرى للنسائي:٥١٥٦، سنن البيهقي:١٧٨٠٢

معرفت سلب کرلیا گیا، جب کہ تو تو میرے شاگردوں میں سے سب سے بڑا عالم تھا؟ اس نے جواب میں کہا کہ اس کی وجہ تین گناہ ہیں: ایک یہ کہ میں اپنے ساتھیوں کی چغلی کھایا کرتا تھا، دوسرے کہ میں اپنے دوستوں سے حسد کیا کرتا تھا اور تیسرے یہ کہ مجھے ایک بیماری تھی، تو اطبا نے کہا کہ سال میں ایک بار ایک پیالہ شراب پی لیا کرو؛ لہٰذا میں سال میں ایک بار شراب پیا کرتا تھا۔(۱)

ایک اور دردانگیز واقعہ

حضرت سفیان ثوری رَحِمَهُ اللهُ ایک بار حج کے ارادے سے مکۂ مکرمہ کے لیے نکلے اور اپنی سواری میں بیٹھ کر رات بھر روتے رہتے تھے۔ ساتھ میں ان کے شاگرد حضرت شیبان راعی بھی تھے، جو بڑے اللہ والے اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے، انھوں نے پوچھا کہ حضرت! آپ پوری رات روتے رہتے ہیں، یہ کیوں؟ کیا کسی گناہ کی وجہ سے؟ آپ نے فرمایا کہ گناہ کی وجہ سے نہیں یا شیبان! گناہ تو میرے دل میں ایسے نہیں کھٹکے کہ میں اس قدر روؤں؛ بل کہ میں تو عاقبت اور انجام کی فکر سے رو رہا ہوں؛ کیوں کہ میں نے اپنے ایک شیخ کو دیکھا، جن سے ہم نے علم حاصل کیا تھا اور ان سے برکت لینے جایا کرتے تھے اور ان کے طفیل سے دعا کرکے اللہ سے بارش مانگتے تھے؛ لیکن جب ان کی موت ہوئی، تو دیکھا کہ ان کا چہرہ قبلے سے پھر گیا اور ان کا کفر پر انتقال ہوا۔ پس میں تو برے خاتمے سے ڈرتا ہوں؛ پھر آپ نے شیبان سے کہا کہ

”إن ذلک من شؤم المعصية، و الإصرار علی الذنوب، فلا تعص ربک طرفة عين.“(۲)

(یہ گناہ کی نحوست اور معصیت پر اصرار کا نتیجہ ہے؛ لہٰذا تو ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہ کرنا۔)

---

(۱) شرح البخاري للسفيري: ۱۴/۱۴

(۲) شرح البخاري للسفيري: ۱۵/۱۴

عشقِ فانی کا عبرت ناک انجام

ایک شخص کا واقعہ متعدد اکابر علما و مشائخ نے لکھا ہے کہ وہ ''اسلم'' نامی شخص پر عاشق ہو گیا اور اس کی محبت میں گھلنے لگا؛ یہاں تک کہ بستر کا ہو گیا اور اس کا وہ معشوق یہ حالت دیکھ کر اس سے نفرت کرنے لگا اور اس کے پاس آنے سے رک گیا، اس پر وہ عاشق شخص نے کسی کو درمیان میں واسطہ بنایا کہ وہ کسی طرح اس معشوق کو بلا لائے۔ اس نے کوشش کی، تو وہ شخص ایک بار آنے کو تیار ہو گیا؛ مگر عین وقت پر اس نے انکار کر دیا کہ اس سے میری بدنامی ہوگی۔ جب اس معشوق کو جا کر یہ بتایا گیا کہ اس نے وعدے کے مطابق آنے سے انکار کر دیا ہے، تو اس پر موت کے آثار طاری ہو گئے اور وہ اسی حال میں اپنے معشوق اسلم کو خطاب کر کے یہ شعر پڑھنے لگا:

اسلم ! یَارَاحَۃَ العَلِیلِ ویَا شِفَاءَ المُدنَفِ النَّحِیلِ
رِضَاکَ اَشھٰی إلیٰ فُؤادی من رَّحْمَۃِ الخَالِقِ الجَلِیْل

(اے اسلم! اے بیمار کی راحت! اے کمزور عاشق کی شفا! تیری خوشنودی میرے نزدیک اللہ خالق جلیل کی رحمت سے زیادہ لذیذ ہے۔)

بس یہ کہنا تھا کہ روح قبض ہو گئی اور یہی کلمۂ کفر کہتا ہوا، وہ موت کے منہ میں چلا گیا۔(۱)

عشقِ حرام کا خطرناک انجام

اسی طرح ایک اور قصہ عشقِ فانی و حرام کے خطرناک انجام کے بارے میں علما و اکابر نے لکھا ہے، وہ یہ کہ ایک شخص اپنے گھر کے پیچھے کھڑا تھا کہ وہاں سے ایک لڑکی کا گزر ہوا اور اس نے اس شخص سے پوچھا کہ ''حمام منجاب'' کہاں ہے؟ اس شخص نے دھوکا دینے کے لیے اپنے ہی گھر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہے حمام منجاب۔ وہ لڑکی اس گھر میں داخل ہوئی، تو یہ شخص بھی اس کے پیچھے پیچھے گھر کی جانب آنے لگا۔ وہ لڑکی سمجھ گئی کہ اس

(۱) الجواب الکافي: ۱۶۷، التذکرۃ للقرطبي: ۴۲/۱

نے مجھے دھوکا دیا ہے؛ لہٰذا اس نے بھی اس کو دھوکا دینے کے خیال سے بہ ظاہر خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ یہاں تو سامان عیش کچھ نہیں ہے؟ وہ شخص سمجھا کہ یہ لڑکی مجھ سے حرام کاری کے لیے تیار ہوگئی ہے، اس لیے کہنے لگا کہ میں ابھی ابھی سب سامان لاتا ہوں، تم یہیں ٹھہرنا۔ وہ اس لڑکی کو بغیر گھر بند کیے، یہ کہہ کر بازار گیا اور اس لڑکی نے وہاں سے اپنی راہ لی اور چلی گئی۔ جب یہ واپس آیا، تو دیکھا کہ گھر میں وہ موجود نہیں ہے، اس پر وہ اس کی محبت میں بڑا بے قرار ہوگیا اور راستوں اور گلی کوچوں میں اس کو تلاش کرنے لگا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ

يَا رُبَّ قَائِلَةٍ يَوماً وَ قَدْ تَعِبَتْ
كَيْفَ الطَّرِيْقُ اِلٰى حَمَّامِ مِنْجَابِ؟

(اے تھکے ہوئے حال میں ایک دن یہ کہنے والی کہ حمام منجاب کا راستہ کدھر کو ہے؟)

ایک بار وہ اسی طرح بار بار کہتا جا رہا تھا کہ ایک باندی نے اپنے گھر کے اندر سے اس کا جواب یوں دیا کہ

هَلَّا جَعَلْتَ سَرِيْعاً اِذْ ظَفِرْتَ بِهَا
حِرْزاً عَلَى الدَّارِ أَوْ قُفْلاً عَلَى البَابِ

(جب تو اسے پایا تھا، تو کیوں جلدی سے گھر پر کوئی آڑ، یا دروازے پر کوئی قفل نہیں لگا دیا۔)

یہ سن کر اس کا غم اور بڑھ گیا اور اسی حالت میں موت کے پنجے نے اس کو دبوچ لیا۔(۱)

یہ چند واقعات بتا رہے ہیں کہ گناہ انسان کے لیے سوئے خاتمہ کا سبب بن جاتے ہیں۔ اللہ مجھے اور آپ کو اس مصیبت سے بچائے، جو انسان کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے اور ہم سب کو خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

---

(۱) العاقبة في ذكر الموت:۱۷۹، الجواب الكافي:۱۶۸، التذكرة: ۲۸/۱، الثبات عند الممات:۷۹

فصل ششم

موت کی تیاری اور موت کے وقت مؤمن کے پسندیدہ احوال

ہر انسان اس بات سے واقف ہے کہ موت ایک ناگزیر امر ہے، جس سے کسی کو مفر نہیں؟ نیک ہو یا بد، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا رعایا، خواہ کوئی بھی ہو، جب اس عالم رنگ و بو میں قدم رکھتا ہے، تو اسی وقت اس کی قضا اور موت اس سے کہتی ہے کہ میں بھی تیرے پیچھے پیچھے آ رہی ہوں۔ مجھ سے کسی کو چھٹکارا نہیں، تو بھی مجھ سے بچ نہیں سکتا۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا دنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

جب یہ ایسی متیقن و متعین چیز ہے، تو مؤمن کو اس کے لیے پہلے ہی سے تیار رہنے اور تیار ہونے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ موت کا علم کسی کو نہیں کہ کب آئے گی اور خصوصیت کے ساتھ موت کے قریب وقت میں مؤمن کو اس کے لیے بالکل ہی تیار ہو جانا چاہیے۔ ہم اس موقع پر موت کی تیاری کے سلسلے میں چند اہم امور کی نشان دہی اور مؤمن کے لیے موت کے وقت پسندیدہ احوال کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں؛ لہٰذا عرض ہے کہ اس فصل کو دھیان سے پڑھنے اور عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اچانک موت کے بارے میں ایک تحقیق

اصل موضوع سے قبل یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ موت کی تیاری ہی وہ مہتم بالشان کام ہے، جس کے لیے یہ امر پسندیدہ مانا گیا ہے کہ موت اچانک نہ آئے؛ تاکہ مؤمن توبہ واستغفار کرلے اور ادائیگیٔ حقوق وتلافیٔ مافات کرکے اللہ کے جناب میں جانے کے لائق بن جائے۔

جب بات اچانک موت کے مسئلے تک پہنچ گئی ہے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اچانک موت کے سلسلے میں یہ تحقیق پیش کردی جائے کہ اچانک موت کے متعلق روایات مختلف ہیں، بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اچانک موت کوئی اچھی موت نہیں؛ اس لیے بعض اکابر نے اس کو ناپسند کیا ہے، جب کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اچانک موت کوئی بری چیز نہیں؛ بل کہ مؤمن کے حق میں اچھی ہے۔

یہاں ہم اولاً وہ روایات پیش کریں گے، جن سے اچانک موت کا برا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۱) ایک حدیث میں حضرت عبید بن خالد ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

«مَوْتُ الْفَجْأَةِ أَخْذَةُ أَسَفٍ.» (۱)

(اچانک موت غضب کی پکڑ ہے۔)

یہ حدیث صحیح ہے، متعدد حضراتِ محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، جن میں حافظ ابن حجر بھی ہیں، جیسا کہ شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة و الموضوعة" میں ذکر کیا ہے اور علامہ شعیب ارناؤط نے تحقیقِ مسند احمد میں اس کو صحیح کہا ہے۔ (۲)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اچانک موت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ آدمی کوئی قابلِ گرفت کام کر بیٹھتا ہے؛ لہٰذا یہ اچانک موت اللہ کی جانب سے اس پر غضب کی پکڑ ہوتی ہے۔ اس سے اچانک موت کا برا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

---

(۱) سنن أبي داود: ۳۱۱۲، مسند أحمد: ۱۵۵۳۵ و ۱۷۹۵۳، سنن البیهقي: ۶۸۰۹، جامع الأصول: ۸۵۵۸، المسند الجامع: ۹۶۰۱

(۲) سلسلة الضعيفة: ۱۲/ ۷۲، تحقيق مسند أحمد: رقم: ۱۷۹۵۳

(۲)اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

«اسْتَعَاذَ مِنْ سَبْعِ مَوْتَاتٍ: مِنْ مَوْتِ الْفُجَاْةِ، وَ مِنْ لَدْغِ الْحَيَّةِ، وَ مِنْ أَكْلِ السَّبُعِ، وَ مِنَ الْغَرَقِ، وَ مِنَ الْحَرْقِ، وَ مِنْ أَنْ يَخِرَّ عَلَى شَيْءٍ أَوْ يَخِرَّ عَلَيْهِ شَيْءٌ، وَ مِنَ الْقَتْلِ عِنْدَ فِرَارِ الزَّحْفِ.» (۱)

(رسول اللہ ﷺ نے سات قسم کی موت سے پناہ مانگی ہے: اچانک موت سے، سانپ کے ڈسنے سے، درندے کے کھالینے سے، غرق ہونے سے، جل جانے سے اور اس سے کہ کسی چیز پر گر کر موت آئے یا کوئی چیز گر جانے سے موت آئے اور گھمسان کی جنگ میں جنگ سے بھاگتے ہوئے قتل ہو جائے۔)

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ راوی کو بہت سے محدثین نے ان کے حافظے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض دیگر حضراتِ محدثین نے ان کی توثیق وتصدیق کی ہے، لہٰذا ان کی حدیث کو ضعیف بہ ضعفِ محتمل قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس میں جہاں اور چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے، وہیں اچانک موت سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ ناپسندیدہ چیز ہے؛ کیوں کہ پناہ ایسی ہی چیز سے مانگی جاتی ہے جو ناپسندیدہ ہو۔

مگر بعض روایات اس کے برخلاف ایسی ہیں، جن سے اس کا اچھا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک موت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

«راحَةٌ لِلْمُؤمِنِ وَ أَخذَةُ أَسَفٍ لِلفَاجِرِ.» (۲)

(وہ تو مؤمن کے لیے راحت اور کافر کے لیے غضب کی پکڑ ہے۔)

---

(۱) أحمد: ۶۵۹۴، المعجم الكبير للطبراني: ۱۴۱۲، المعجم الأوسط: ۱۷۳

(۲) مسند أحمد: ۲۵۰۸۶

(۲) ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عبداللہ بن عبید بن عمیر نے پوچھا کہ اچانک موت، کیا مکروہ اور بری چیز ہے؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بری کیوں ہے؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، تو فرمایا کہ وہ تو مؤمن کے لیے راحت اور کافر کے لیے غضب کی پکڑ ہے۔(۱)

(۳) ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے ہیں کہ اچانک موت مؤمنین پر ناراضگی کی وجہ سے ہوتی ہے؛ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ ابن عمر کو معاف فرمائے، اللہ کے رسول ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ اچانک موت مؤمنین کے لیے تخفیف و آسانی ہے اور کافر کے لیے ناراضگی ہے۔(۲)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً وارد ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ اچانک موت مؤمن کے حق میں تخفیف و آسانی ہے اور کافر کے لیے غضب کی پکڑ ہے۔(۳)

ان روایات میں سے پہلی اور دوسری روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اس کی سند میں عبیداللہ بن الولید الوصافی متروک راوی ہے، جس کے بارے میں ائمۂ جرح وتعدیل نے کہا ہے کہ وہ بہت ہی ضعیف ہے؛ یہاں تک کہ بعض نے کہا کہ یہ ثقات کے حوالے سے ایسی احادیث بیان کرتا ہے، جو ثقہ حضرات کی احادیث سے میل نہیں کھاتیں؛ حتی کہ یہ خیال گزرتا ہے کہ اسی نے ان احادیث کو گھڑ کے ان کی جانب منسوب کردیا ہے۔(۴)

اور اس سند میں دوسرے راوی عبیداللہ بن الولید کے شیخ عبداللہ بن عبید بن عمیر ہیں،

---

(۱) سنن البيهقي:۶۸۱۱، شعب الإيمان:۹۷۴۰

(۲) المعجم الكبير للطبراني:۴۰۳

(۳) مصنف ابن أبي شيبة:۶۷۷۶، المعجم الكبير للطبراني:۸۷۷۴

(۴) تهذيب التهذيب: ۵۱/۷

ان کو حضرت عائشہ ﷞ سے سماع حاصل نہیں ہے۔(۱)

لہٰذا یہ روایت منقطع بھی ہے اور ضعیف بھی؛ لہٰذا یہ نا قابلِ استدلال ہے۔

اور تیسری حدیث جو حضرت عائشہ ﷞ سے مروی ہے، اس کی سند میں صالح بن موسیٰ راوی نہایت ضعیف و مجروح ہے، ابن حبان نے کہا کہ یہ ثقات کے حوالے سے ایسی احادیث بیان کرتا ہے جو ان کی احادیث کے مشابہ نہیں ہوتیں، یہاں تک کہ ان احادیث کے موضوع ہونے کی شہادت دی جاسکتی ہے۔(۲)

اور رہی حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ کی موقوف حدیث تو وہ بھی ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس کی سند میں امام اعمش کے شیخ واستاذ ایک مجہول شخص ہیں، جن کا نہ نام بتایا گیا ہے، نہ کوئی وصف بیان کیا گیا ہے۔

اور ان کے علاوہ بھی چند روایات اس سلسلے میں ذکر کی گئی ہیں؛ مگر ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہماری تحقیق کے مطابق صرف ایک حدیث صحیح ہے جو اوپر ابوداود وغیرہ کے حوالے سے پیش کی گئی ہے، جس میں اچانک موت کو غضب کی پکڑ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جو اوپر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷜ کی روایت سے پیش کی گئی ہے، جس میں اللہ کے رسول ﷺ کا اچانک موت سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے اور حافظ ابن حجر کے صنیع وطرزِ عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صرف ایک وہی حدیث اس سلسلے میں صحیح ہے؛ کیوں کہ انھوں نے "موافقة الخبر الخبر في تخريج أحاديث المختصر" میں اسی ایک حدیث کو صحیح کہا ہے اور باقی سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۳)

یہ تو بہ لحاظِ روایت کلام تھا اور اگر دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی صورت پیدا کی

---

(۱) تهذيب التهذيب: ۲۶۹/۵

(۲) العلل المتناهية: ۸۹۵/۲

(۳) دیکھو: موافقة الخبر الخبر في تخريج أحاديث المختصر: ۳۱۷/۱

جائے تو یہ بھی ممکن ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ اچانک موت ان لوگوں کے حق میں ناپسندیدہ ہے؛ جنھوں نے پہلے سے توبہ واستغفار نہ کیا ہو، حقوق العباد کی ادائیگی نہ کی ہو اور وصیت کرنے کے قابل کوئی چیز ہونے کے باوجود وصیت نہ کی ہو، ایسے لوگوں کے لحاظ سے اچانک موت ظاہر ہے کہ ناپسندیدہ ہے اور اچانک موت ان لوگوں کے حق میں محبوب وپسندیدہ ہے؛ جنھوں نے پہلے ہی سے اپنے آپ کو موت کے لیے تیار کیا ہو اور توبہ واستغفار کرتے رہے ہوں اور حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرتے رہے ہوں اور اپنا وصیت نامہ بھی لکھ دیا ہو یا وصیت کر دی ہو، ایسے لوگوں کے لحاظ سے اچانک موت ایک راحت وآسانی کا معاملہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اچانک موت کی ناپسندیدگی دراصل اس وجہ سے ہے کہ اس سے آدمی خود کو موت کے لیے تیار کرنے، توبہ واستغفار کر کے اللہ کو راضی کر لینے اور وصیت وغیرہ اہم کاموں کے کرنے سے رہ جاتا ہے۔

چناں چہ شارحِ بخاری علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" ويحتمل أن يكون ذلك –والله أعلم– لما في موت الفجأة من خوف حرمان الوصية، وترك الإعداد للمعاد، والاغترار الكاذبة، والتسويف بالتوبة."

(یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اچانک موت کی ناپسندیدگی اس وجہ سے ہو کہ اس میں وصیت سے محرومی، آخرت کے لیے تیاری کے چھوڑنے، جھوٹی امیدوں سے فریب خوردگی اور توبہ میں ٹال مٹول کا اندیشہ ہے)(۱)

اسی صورت سے علمانے ان دونوں قسم کی روایات میں جمع وتطبیق پیدا کی ہے۔(۲)

اس تفصیل سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ اچانک موت کی ناپسندیدگی اس بنیاد پر ہے

---

(۱) شرح ابن بطال لصحيح البخاري: ۳/۳۷۸

(۲) دیکھو: فتح الباري: ۳/۲۵۵

کہ اس سے آدمی موت کی تیاری کر نہیں پاتا اور یوں ہی دنیا سے چل بستا ہے؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ موت کی تیاری کا اہتمام بڑا اہم ہے۔

اب ہم مؤمن کے لیے موت کے وقت پسندیدہ احوال کا تذکرہ کریں گے۔

(۱) توبہ واستغفار اور ذکر کا اہتمام

موت کے وقت مؤمن کا حال یہ ہونا چاہیے کہ وہ دنیا کے مسائل اور لوگوں سے بات چیت اور کاروباری مشاغل وغیرہ سے کنارہ کش ہوکر کثرت کے ساتھ استغفار و توبہ میں لگا رہے اور اللہ کا ذکر کرے اور پوری توجہ اللہ کی جانب کرلے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ یہ وقت انسان کا وقت واپسیں ہے؛ لہٰذا دنیوی بات چیت اور کاروباری مشاغل اور دنیا کے بکھیڑوں میں مشغول ہونے کے بجائے، اس کے لیے سب سے اہم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی وقار میں حاضری کے لیے خود کو گناہوں کی نجاست سے پاک وصاف کرلینے کی کوشش کرنا چاہیے اور اللہ کی یاد سے دل کو معمور کرلینا چاہیے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ذکر اللہ اور توبہ واستغفار کا اس سے بہتر اور کونسا وقت ہوسکتا ہے؟ اگر کسی بندے کو اس وقت یہ بات نصیب ہوجائے، تو وہ بڑا خوش بخت انسان ہے۔

حدیث میں ہے کہ یہ توبہ کی قبولیت کا وقت غرغرے کی حالت تک رہتا ہے اور اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ. » (۱)

(اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتے ہیں؛ جب تک کہ وہ غرغرے کی حالت کو نہ پہنچے۔)

لہٰذا اس موقع کو غنیمت جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ واستغفار کا موقع دیا ہے۔

---

(۱) سنن الترمذي: ۳۸۸۰، سنن ابن ماجه: ۴۱۵۳، مسند أحمد: ۶۱۶۰، صحيح ابن حبان: ۶۲۸، مسند أبي يعلى: ۵۶۰۹

حضراتِ سلف کے بارے میں علامہ ابن الجوزی "الثبات عند الممات" میں لکھتے ہیں کہ سلف کی ایک جماعت اس وقت رونے دھونے کے بجائے، اللہ کے ذکر اور توبہ واستغفار اور عبادت کا اہتمام کرتی تھی۔ (۱)

حضرت ورقا بن عمر کا واقعہ

حضرت امام ورقا بن عمر یشکری رحمۃ اللہ علیہ بڑے عظیم محدث گزرے ہیں، ان کا جب وصال کا وقت قریب آیا، تو وہ ذکر و تسبیح میں لگے ہوئے تھے اور لوگ ان کی زیارت و ملاقات کو جوق در جوق آ رہے تھے، اس سے آپ پریشان ہو گئے اور اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تم ان کے سلام کا جواب دے کر میری جانب سے کفایت کرو (یعنی ان سے ملنے ملانے سے مجھے معاف رکھو)، کہیں یہ لوگ مجھے میرے رب سے غافل نہ کر دیں۔ (۲)

الغرض مؤمن کا یہ وقت اس کے حق میں سب سے زیادہ قیمتی ہوا کرتا ہے؛ کیوں کہ اگر اس وقت اس نے توبہ واستغفار سے کام لیا اور اس کی توبہ بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبول پا گئی، تو اس کا بیڑا پار ہو گیا اور اس کی زندگی کا مقصد اور نتیجہ اسے مل گیا اور وہ حسن انجام کو پہنچ گیا؛ لہٰذا اس وقت کو غنیمت سمجھ کر دنیا کے بکھیڑوں سے دور ہو کر توبہ واستغفار میں خود کو لگانا چاہیے اور اس موقع کو دنیا کے مسائل میں تجارت اور جائیداد کے جھگڑوں میں لگا کر ضائع نہ کرنا چاہیے۔

(۲) حقوق العباد میں کوتاہیوں کا تدارک

موت کے قریب مؤمن کا ایک پسندیدہ حال یہ ہے کہ اپنے قریب و دور کے متعلقین کے سلسلے میں ہونے والی کوتاہیوں کا تدارک کرے، معافی تلافی کا اہتمام کرے اور ادا کرنے کے قابل کوئی حق ہو، تو اس کو ادا کر کے سبکدوش ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ حقوق العباد

---

(۱) الثبات عند الممات: ۵۵

(۲) تاريخ الإسلام للذهبي: ۱۰/۵۰۲، سير أعلام النبلاء: ۷/۴۲۲، تاريخ بغداد: ۱۳/۵۱۷

کا مسئلہ بڑا اہم اور گھمبیر ہے، جب تک حق دار معاف نہیں کرے گا، وہ معاف نہیں ہوتے اور قیامت کے دن اس کا بدلہ چکانا پڑے گا۔

احادیثِ نبویہ میں کثرت کے ساتھ یہ مضمون آیا ہے، یہاں صرف ایک حدیث پیش کی جاتی ہے، جس میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

حقوق العباد کی تلافی کرنے کا حکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَحَدٍ مِنْ عِرْضِهِ، أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لاَ يَكُونَ دِينَارٌ، وَلاَ دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ. » (1)

(جس شخص نے کسی کی عزت وآبرو یا کسی اور چیز میں کوتاہی کی ہو، اسے چاہیے کہ وہ آج ہی معاف کرالے اس سے پہلے کہ اس کے پاس نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم، پس اگر اس کے پاس عملِ صالح ہوگا، تو اس کو اس کے عوض لے لیا جائے گا اور اگر عملِ صالح نہ ہوگا، تو دوسرے کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ آج ہی یعنی جلد سے جلد معافی تلافی کرلے؛ لہٰذا اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

حقوق العباد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قیمتیں بڑھ گئی ہیں؛ لہٰذا آپ چیزوں کی قیمت مقرر کردیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ نرخ مقرر کرنا، اللہ کا کام

(1) صحيح البخاري:٢٤٤٩، صحيح ابن حبان:٧٣٦١، مسند أحمد:١٠٥٨٠، مشكل الآثار:١٨٧، مسند البزار:٣٢٠٢، سنن البيهقي:١١٦٩٢

ہے، وہی تنگی کرنے والا اور وسعت دینے والا اور روزی دینے والا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں اللہ سے اس حال میں ملوں گا کہ تم میں سے کسی کو مجھ پر خون یا مال کے بارے میں کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔(۱)

اس سلسلے میں ہمارے لیے سب سے بڑا اسوہ رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل اور طریقہ ہے، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ بخار کی حالت میں سر پر پٹی باندھے ہوئے تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے اور لوگ جمع ہوگئے۔ آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ تمہارے درمیان سے میرے چلے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے، میں بھی تم جیسا بشر ہوں، اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر مارا ہو؛ تو میری پیٹھ حاضر ہے، وہ مجھ سے بدلہ لے لے اور اگر میں نے کسی کا مال لے لیا ہو؛ تو یہ میرا مال حاضر ہے، وہ مجھ سے وصول کر لے اور جس کو میں نے گالی دی ہو یا بے عزت کیا ہو وہ مجھ سے بدلہ لے لے اور فرمایا کہ تم میں سے کسی کو یہ خیال نہ آئے کہ بدلہ لینے سے رسول اللہ ﷺ کے دل میں کوئی برائی آ جائے گی۔ خبردار! دل میں برائی رکھنا میری فطرت وطبیعت نہیں ہے اور سن لو کہ میرے نزدیک وہ شخص سب سے بہترین ہے، جو آج مجھ سے اپنی چیز وصول کر لے یا مجھے معاف کر دے؛ تاکہ میں اللہ سے اس حال میں ملوں کہ مجھ پر کسی کا کوئی حق نہ ہو۔

اور ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ اعلان بار بار کیا، نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس کسی کا کوئی حق ہو، وہ اس کو لوٹا دے اور یہ نہ کہے کہ اس سے دنیا میں رسوائی ہوگی۔ بلا شبہ! دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی کے مقابلے میں معمولی ہے۔ اس موقع پر ایک صحابی نے عرض کیا کہ میرے تین درہم آپ پر ہیں، آپ نے حضرت فضل بن عباس کو حکم دیا کہ ان کو تین درہم ادا کر دیں۔(۲)

(۱) سنن أبي داود:۳۴۵۳

(۲) مسند أبي يعلى:۶۸۲۴، سنن البيهقي:۱۱۷۳۶، المعجم الكبير للطبراني:۱۵۱۱۹، دلائل النبوة:۱۷۹/۷

حضرت عبادہ کا اہلِ حقوق سے معافی تلافی

معروف صحابی حضرت عبادہ بن الصامت ﷺ نے اپنی وفات سے قبل فرمایا کہ میرا بچھونا گھر کے صحن میں لگادو اور میرے تمام غلاموں، باندیوں اور پڑوسیوں کو بلالو اور ان کو بھی بلالو، جو مجھ سے ملنے آیا کرتے تھے۔ پس ان سب کو بلایا گیا اور وہ سب جمع ہو گئے، تو آپ نے ان سے فرمایا کہ آج کا یہ دن میرا خیال ہے کہ اس دنیا میں میرا آخری اور آخرت کا پہلا دن ہے اور ممکن ہے کہ مجھ سے میری زبان یا ہاتھ سے تمھارے حق میں کوئی کوتاہی ہوگئی ہو۔ خدا کی قسم! قیامت میں اس کا مجھ سے بدلہ لیا جائے گا اور میں حرج محسوس کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی کے دل میں اس کی وجہ سے کوئی برائی ہو؛ مگر یہ کہ میرے مرنے سے پہلے پہلے وہ مجھ سے آکر بدلہ لے لے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں؛ بل کہ آپ تو ہمارے باپ اور استاذ ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تم سب نے مجھے معاف کردیا؟ جب لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں! ہم نے معاف کردیا، تو فرمایا کہ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔(۱)

حضرت تھانوی ﷫ نے اہلِ حقوق سے معافی مانگی

ہمارے اکابر میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی ﷫ کا طرزِ عمل بھی ہمارے لیے ایک نمونہ ہے، آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ کی عمر پچاس برس کی ہونے کو تھی، تو آپ نے اپنا ''وصیت نامہ'' لکھا، اس میں ایک بات یہ لکھی:

> ''میرے بعض اخلاقِ سیئہ کے سبب بعض بندگان خدا کو حاضرانہ یا غائبانہ میری زبان اور ہاتھ سے کچھ کلفتیں پہنچی ہیں اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں، خواہ اہلِ حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، میں نہایت عاجزی کے ساتھ سب چھوٹے بڑوں سے استدعا کرتا ہوں کہ للہ

(۱) شعب الإیمان:۹۲۳۴، کنز العمال:۳۷۴۴۴، وصایا العلماء للإمام الربعي: ۴۹

دل سے ان کو معاف فرمادیویں، اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات سے درگزر فرمائیں گے اور اگر معافی کی ہمت نہ ہو، تو حسبِ فتویٰ شرعی مجھ سے عوض لے لیں، خدا کے لیے قیامت پر مواخذہ نہ رکھیں کہ اس کا کسی طرح تحمل نہیں۔(۱)

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی کا طرزِ عمل

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی ﷫ جو حضرت حکیم الامت تھانوی ﷫ کے خلفا میں سے تھے، انھوں نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے کہ

”زندگی کے دوران میں مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف معاملات کا سابقہ رہتا ہے۔ اعزہ کے ساتھ اور احباب کے ساتھ بھی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی، اس لیے فطری امر ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے ضرور کوئی بات ایسی ہو جاتی ہے، جو خلافِ طبع ہو یا جس میں کسی قسم کے حق کا اتلاف ہو، مثلاً آبرو، مال وغیرہ کا؛ اس لیے پیشِ نظر اس امر کے حقوق العباد بڑا سنگین مسئلہ ہے اور آخرت میں اس کا بہت سخت مواخذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں اور معاف فرمائیں۔ آمین۔ میں اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ سب اہلِ معاملہ سے معافی مانگتا رہوں، پھر بھی میرے وارث میرے مرنے کے بعد اگر میرے اعزہ اور اقربا اور احباب سے عند الملاقات میری جانب سے معافی مانگ لیں، تو بہت بہتر ہے؛ تاکہ مجھ سے کسی قسم کا مواخذہ آخرت میں نہ ہو، جو بہت ہی شدید بات ہے۔(۲)

(۱) اشرف السوانح:۱/۱۷۳-۱۷۴

(۲) سوانح وتعلیماتِ عارفی:۳۲۱

الغرض مرنے والے کو چاہیے کہ وہ موت کی تیاری میں اس کا اہتمام بھی کرے کہ حقوق العباد میں جو کوتاہی ہوئی ہو؛ اس کو اہلِ حقوق سے یا تو معاف کرالے یا ان حقوق کو ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

(۳) وصیت نامہ لکھ کر رکھنا

مرنے والے کے لیے ایک اہم کام یہ ہے کہ اگر کوئی بات وصیت کے قابل ہو؛ تو وصیت لکھ کر رکھ دے۔

حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلاَّ وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ. » (۱)

(کسی بھی مسلمان کے لیے جس کے پاس کوئی قابلِ وصیت بات ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ دو راتیں بھی گزارے؛ مگر یہ کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی تین راتیں نہ گزارے؛ مگر یہ کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی ہو۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ اس کو سننے کے بعد میں ایک رات بھی نہیں گزارا؛ مگر یہ کہ میرے پاس میری وصیت رکھی ہوئی ہے۔ (۲)

حضرات فقہائے کرام میں بعض کہتے ہیں کہ آدمی پر وصیت کرنا واجب ہے اور اکثر یہ کہتے ہیں کہ واجب نہیں؛ بل کہ مندوب و مستحب ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ حدیث میں حق کے معنی ثابت کے ہیں، لہٰذا جمہور علما کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی

---

(۱) صحيح البخاري :۲۷۳۸، صحيح مسلم :۴۲۹۱، سنن أبي داود :۲۸۶۴، سنن الترمذي: ۹۷۴، سنن النسائي:۳۶۱۵، سنن ابن ماجه:۲۶۹۹، مسند أحمد:۴۵۷۸

(۲) مسند أحمد:۴۴۶۹

کا قابلِ وصیت بات کی وصیت کر جانا شرعاً ثابت ہے۔(۱)

اس سلسلے میں بندے کے ذہنِ فاتر میں یہ آتا ہے کہ جس چیز کی وصیت کی جائے گی، وہ مختلف درجات کی ہوگی: ایک وہ جس کا تعلق کسی امانت، قرض یا کسی دوسرے کے حق سے ہو، ایسی بات کی وصیت واجب ہوگی اور دوسری وہ جس کا تعلق خود کی ذات سے، یا کسی امر مستحب یا مباح کے بارے میں ہو، تو اس کی وصیت واجب نہ ہوگی۔ علامہ ابن جریر نے اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ یہ کہ کوئی بات ایسی ہو جس کی وصیت کرنے کی ضرورت ہو، تو وصیت لکھ کر رکھنا چاہیے؛ تا کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

(۴) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق

مؤمن کے لیے موت کے وقت ایک نہایت ہی مبارک و مسعود حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا متمنی و مشتاق ہو اور اللہ سے ملنے کے لیے اس کا دل بے چین و مضطرب ہو۔ ایسے اللہ کے بندے سے خود اللہ تعالیٰ بھی ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ. » (۲)

(جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو مکروہ اور برا سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتے ہیں۔)

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷛ سے بھی اسی طرح کے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔

---

(۱) فتح الباري: ۳۵۹/۵

(۲) صحيح البخاري: ۶۵۰۷، صحيح مسلم: ۶۹۹۲، سنن النسائي: ۱۸۳۷، سنن الترمذي: ۱۰۶۶

اور اس حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ''بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق رکھتا'' ہے، تو اللہ بھی اس سے ملنا چاہتے ہیں اور بندہ نہیں ملنا چاہتا، تو اللہ بھی نہیں ملنا چاہتے اس کی شرح خود حدیث میں فرمادی گئی ہے۔

چناں چہ حدیث میں ہے کہ جب اللہ کے نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، تو حضرت عائشہ صدیقہ یا کسی اور زوجۂ محترمہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو موت سے نفرت کرتے ہی ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہاں یہ طبعی کراہت مراد نہیں ہے؛ بل کہ مؤمن کو جب موت آتی ہے، تو اسے بشارت سنائی جاتی ہے کہ اللہ تجھ سے راضی ہے اور اس کے اکرام و اعزاز کی بشارت ملتی ہے، تو اس وقت اسے آگے آخرت میں ملنے والی چیزوں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی اور بندہ اس وقت اللہ سے ملنا چاہتا ہے اور اللہ بھی بندہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اور کافر کو جب موت آتی ہے، تو اسے اللہ کے عذاب اور عقوبت کی خبر سنائی جاتی ہے، تو اس وقت اسے آگے آخرت سے زیادہ کوئی چیز بری نہیں معلوم ہوتی، پس وہ اللہ سے ملنے کو برا سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتے۔ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو برا سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ شریح کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ یا ام المؤمنین! میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے، اگر یہی بات ہے، تو پھر ہم تو ہلاک ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو اللہ کے رسول کا فرمان سن کر ہلاک ہوا، وہ حقیقت میں ہلاک ہوا۔ پھر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تو یہ فرماتے

---

(۱) صحيح البخاري:٦٥٠٧، صحيح مسلم :٦٩٩٨، سنن الترمذي:١٠٦٧، سنن الدارمي:٢٧٥٦، شرح السنة:١٤٤٩، مسند عبد بن حميد:١٨٤

ہیں کہ جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے، اللہ اس سے ملنا چاہتے ہیں اور جو اللہ سے ملنے کو برا سمجھتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنے کو برا سمجھتے ہیں اور ہم میں کون ایسا ہے کہ موت کو برا نہیں سمجھتا؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ہاں! رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی تو ہے؛ مگر اس کا مطلب وہ نہیں، جس کی طرف تم گئے ہو؛ بل کہ مراد یہ ہے کہ جس وقت آنکھیں پتھرا جائیں گی اور سینے میں دم رک جائے گا اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور انگلیاں ٹیڑھی ہو جائیں گی، اس وقت جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہیں گے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو برا سمجھیں گے۔(۱)

حضرت ابو ہریرہ ؓ کا اللہ سے ملاقات کا شوق

موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے موت کا شوق کرنے والے اللہ والوں کا ذکر بھی سنتے چلیے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ جب آخری عمر میں بیمار ہو گئے اور لوگ ان کی زیارت و ملاقات کو آنے لگے، تو حاکمِ وقت مروان بن الحکم بھی ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوا اور ان کو دعا دیتے ہوئے کہنے لگا کہ اللہ آپ کو شفا عطا کرے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا کہ

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّ لِقَاءَ کَ، فَأَحِبَّ لِقَائِيْ.»

(اے اللہ! میں تیری ملاقات کا متمنی ہوں، پس آپ بھی مجھ سے ملاقات کو پسند فرمالیں) بس یہ کہتے ہوئے انتقال فرما گئے۔)(۲)

حضرت امیر معاویہ ؓ کا شوق ملاقات

اسی طرح حضرت امیر معاویہ ؓ کے متعلق روایات میں آیا ہے کہ آپ نے ایک روز خطبہ دیا، تو اس میں ایک بات یہ بھی فرمائی کہ

”قد قيل: مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَ هٗ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي قَدْ

---

(۱) صحيح مسلم:۷۰۰۲، سنن النسائي:۱۸۳۴، مسند أحمد:۸۵۴۷

(۲) سير أعلام النبلاء: ۶۲۵/۲

أَحْبَبْتَ لِقَاءَ کَ فَأَحْبِبْ لِقَائِيْ وَبَارِکْ لِيْ فِيْهِ."

(کہا گیا ہے کہ جو اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں، اے اللہ! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں؛ لہٰذا آپ بھی مجھ سے ملنے کو پسند فرمائیں اور اس میں مجھے برکت نصیب فرمائیں) اسی کے چند دنوں بعد بیمار ہوئے اور آپ کا انتقال ہوا۔(۱)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا شوق ملاقات

اسی طرح حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا بھی حال نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ اپنے مخالفین سے میدان جنگ میں لڑ رہے تھے، تو ایک دن فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اب میری عمر پوری ہوگئی اور میں میرے والد کی عمر سے بھی متجاوز ہو گیا، پھر کہا کہ

" اَللّٰهُمَّ إِنِّي قَدْ أَحْبَبْتُ لِقَاءَ کَ فَأَحْبِبْ لِقَائِيْ، وَ جَاهَدْتُ فِيْکَ عَدُوَّکَ، فَأَثِبْنِيْ ثَوَابَ الْمُجَاهِدِيْنَ."

(اے اللہ! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں؛ لہٰذا آپ بھی مجھ سے ملنا پسند فرمائیں اور میں نے تیرے دشمنوں سے جہاد کیا ہے، پس مجھے مجاہدین کا ثواب عطا کیجیے) پس اسی روز وہ شہید کیے گئے۔(۲)

حضرت ابوالحسین نوری بغدادی کا تذکرہ

حضرت امام ابوالحسین نوری رحمہ اللہ بغدادی کا شمار اولیائے کبار میں ہوتا ہے، جنھوں نے حضرت سری سقطی اور حضرت ابن ابی الحواری جیسے اہل اللہ کی صحبت پائی تھی، ان کی وفات کے موقع پر حضرت حسین بن الفضیل حاضر تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نوری رحمہ اللہ

(۱) الکامل لابن الأثیر: ۱۴۸/۲، تاریخ الإسلام للذهبي:۳۱۶/۴، تاریخ ابن خلدون: ۱۸/۳، مختصر تاریخ دمشق:۳۵۱/۷

(۲) مختصر تاریخ دمشق:۱۹۴/۴

سے پوچھا کہ کیا کوئی حاجت ہے؟ کیا کوئی خواہش ہے؟ تو آپ نے سر اٹھایا جب کہ زبان ٹھیک کام نہیں کر رہی تھی اور فرمایا کہ ہاں! خدا کی قسم مجھے ایک بہت بڑی خواہش ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ تو فرمایا کہ: أَشْتَهِي اَنْ اَرَى اللّٰهَ۔" (میں چاہتا ہوں کہ اللہ کو دیکھوں) پھر تین لمبی لمبی سانسیں لیں جیسے کہ آپ کو وہ چیز مل گئی ہو اور روح قبض ہو گئی۔ (۱)

الغرض مؤمن کے لیے موت کے وقت پسندیدہ حال یہ ہے کہ وہ اللہ سے ملاقات کا متمنی ہو۔ اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔ آمین۔

(۵) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے رجا اور امید

موت کے وقت انسان کے لیے بڑا پسندیدہ ایک حال یہ ہے کہ وہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا امیدوار ہو اور یہ خیال کرے کہ اللہ کی رحمت کے سامنے میرے گناہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ بے پناہ گناہوں کو بھی اپنی رحمت سے معاف کر سکتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے تین دن قبل یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

« لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ بِاللّٰهِ الظَّنَّ. » (۲)

(تم میں سے کسی کو موت نہ آئے؛ مگر اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت ایک مؤمن بندے کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھے اور اللہ تعالیٰ سے حسن ظن قائم کرے۔

---

(۱) طبقات الأولياء لابن الملقن: ۱۱

(۲) صحيح مسلم: ۷۴۱۰، سنن أبي داود: ۳۱۱۵، سنن ابن ماجة: ۴۱۶۷، مسند أحمد: ۱۴۱۵۷، صحيح ابن حبان: ۶۳۶، مسند أبي داود الطيالسي: ۱۸۸۸، مسند أبي يعلى: ۱۹۰۷، السنن الكبرى للبيهقي: ۶۸۰۵

حضرت یزید بن الاسود کی امیدِ رحمت

حضرت حیان ابو النضر کہتے ہیں کہ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ حضرت یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، جو حالتِ نزع میں تھے اور ان کا چہرہ قبلہ رو کر دیا گیا تھا اور انھیں ہوش نہیں تھا، جب آپ پہنچے، تو فرمایا کہ ان کو آواز دو، ابو النضر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت یزید رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ یہ آپ کے بھائی واثلہ رضی اللہ عنہ آئے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے ہوش برقرار کر دیے اور جب انھوں نے یہ سنا کہ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ آئے ہیں، تو وہ حضرت واثلہ کا ہاتھ تلاش کرنے لگے، میں نے حضرت واثلہ کا ہاتھ لے کر ان کے ہاتھ میں رکھ دیا اور وہ ان کا ہاتھ تبرکاً اس لیے پکڑنا چاہتے تھے کہ ان کا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے مس کیا ہوا تھا، پھر وہ حضرت واثلہ کا ہاتھ پکڑ کر کبھی اپنے سینے پر اور کبھی اپنے چہرے اور کبھی اپنے منہ پر پھیرنے لگے۔ حضرت واثلہ نے ان سے کہا کہ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ مجھے بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے تمھارا کیا گمان ہے؟ حضرت ابو الاسود نے کہا کہ مجھے گناہوں نے غرق کر دیا؛ یہاں تک کہ میں ہلاکت کے کنارے پہنچ گیا ہوں؛ لیکن میں اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ یہ سن کر حضرت واثلہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا ''اللہ اکبر'' اور ان کو دیکھ کر وہاں تمام گھر والوں نے بھی ''اللہ اکبر'' کہا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں؛ لہٰذا بندے کو چاہیے کہ مجھ سے اچھا گمان رکھے۔ (۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو موت کے وقت دیکھو، تو اس کو بشارتیں سناؤ؛ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھتا ہو اور جب وہ زندہ ہو، تو اس کو اللہ کا خوف دلاؤ اور شدتِ عذاب کا تذکرہ کرو۔ (۲)

---

(۱) شعب الإيمان برقم:۸۷۵، الاربعون الصغرى للبيهقي برقم :۱۲۴، و مثله في مسند أحمد:۱۶۰۵۹، و صحيح ابن حبان:۶۴۱، و في المعجم الكبير للطبراني:۱۵۹۵۱۷

(۲) العاقبة في ذكر الموت:۱۳۵

موت کے وقت سفیان ثوری کی کیفیت

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ پر جب موت طاری ہوئی اور سکراتِ موت کی شدت ہوئی، تو آپ بہت پریشان ہوئے اور جزع فزع کرنے لگے۔ اتنے میں امام مرحوم بن عبد العزیز رحمہ اللہ آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اے ابوعبداللہ! یہ رونا دھونا کیوں ہے؟ اپنے پروردگار کے پاس اطمینان سے جایئے، وہ پروردگار جس کی تم نے ساٹھ برس تک عبادت کی ہے، جس کے لیے روزے رکھے ہیں، جس کی خاطر حج کیے ہیں۔ یہ سن کر حضرت سفیان کو سکون ملا اور وہ جزع فزع کی کیفیت جاتی رہی۔ (۱)

(۵) خوفِ خداوندی کا غلبہ

موت کے وقت مؤمن کا ایک پسندیدہ حال یہ ہے کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے لبریز ہو اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈر رہا ہو کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان پر پکڑ نہ فرمالے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک نوجوان کے پاس گئے، جو مرنے کی حالت میں تھا، آپ نے اس سے پوچھا کہ کیسے ہو؟ اس نے کہا کہ: خدا کی قسم! میں اللہ سے امیدوار بھی ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے خوف بھی محسوس کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ امید اور خوف جس بندے کے دل میں اس موقع پر جمع ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو وہ عطا کرتے ہیں، جس کی اسے امید ہے اور اس چیز سے محفوظ فرما دیتے ہیں، جس کا اسے خوف ہوتا ہے۔ (۲)

ایک حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمانۂ ماقبل میں ایک شخص تھا، جسے اللہ نے مال واولاد سے نوازا تھا، جب وہ مرنے لگا، تو اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں تمھارے حق میں کیسا باپ تھا؟ انھوں نے کہا کہ بڑے

(۱) البداية و النهاية :۸/۴۷

(۲) سنن الترمذي :۹۸۳، سنن ابن ماجه :۴۲۶۱، السنن الكبرى للنسائي:۱۰۸۳۴، مسند أبي يعلى: ۳۳۰۳، مسند عبد بن حميد: ۱۳۷۰

اچھے باپ تھے۔اس نے کہا کہ میں نے کوئی اچھا عمل نہیں کیا ہے، جو اللہ کے پاس کام آئے، اگر مجھے اللہ کے دربار میں پیش کردیا گیا، تو اللہ مجھے ضرور عذاب دے گا؛ لہٰذا جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دینا اور اس نے اپنے بیٹوں سے اس پر وعدہ وقسم لی اور جب وہ مرگیا، تو اس کی اولاد نے ایسا ہی کیا۔ جب اسے اللہ نے ”کُن“ کہہ کر دوبارہ پیدا کیا، تو اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! تجھے اس حرکت پر کس چیز نے آمادہ کیا تھا؟ اس نے عرض کیا کہ اے اللہ! آپ کے خوف کی وجہ سے میں نے ایسا کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا اور مغفرت کردی۔(۱)

موت کے وقت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا خوف

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو بہت بڑے صحابی تھے، جب ان کی وفات کا وقت ہوا؛ تو وہ رونے لگے۔لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں موت سے گھبرا کر نہیں رو رہا ہوں اور نہ اس لیے کہ میں میرے پیچھے دنیا چھوڑ کر جا رہا ہوں؛ بل کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ (اللہ کی) دو مٹھیاں ہیں: ایک جہنم میں جائے گی اور ایک جنت میں جائے گی، میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں گا؟(۲)

امام محمد بن المنکدر رحمہ اللہ کا خوف

امام محمد بن المنکدر رحمہ اللہ اپنے وقت کے ایک بڑے محدث تھے اور نہایت ورع وتقویٰ کے حامل امام تھے، وفات کے وقت وہ بڑے گھبرا رہے تھے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں اس قدر گھبرا رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ ایک آیت کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

﴿وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ.﴾

(اور ان لوگوں کے لیے اللہ کی جانب سے وہ وہ عذاب کی صورتیں

(۱) صحيح البخاري: ٦٠٠٠، مسند أحمد: ١١٧٥٣، مشكل الآثار: ٥٥٩

(۲) المعجم الكبير للطبراني: ١٦٧٧٨، شعب الإيمان: ٨١٥، الإيمان لابن منده: ٢٣٩/١

ظاہر ہوں گی، جن کا انھیں کبھی گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔)

پھر کہنے لگے کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میرے لیے بھی اللہ کی جانب سے وہ عذاب نہ ظاہر ہو جائے، جس کا مجھے گمان بھی نہیں ہے۔(۱)

الحاصل موت کے وقت مؤمن کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہونا چاہیے، جس طرح امید بھی ہونی چاہیے۔

(۶) صبر وضبط اور اس پر امیدِ ثواب

یہ معلوم ہے کہ موت کے وقت مؤمن کو بھی سکرات وغمرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور موت کی سختیاں اس کو پریشان کرتی ہیں؛ مگر ایسے وقت اپنے آپ کو صبر کی صفت سے متصف رکھنا چاہیے۔ موت کی سختی بھی دراصل مؤمن کے گناہوں کا کفارہ یا اس کے درجات کی بلندی کا سبب بنتی ہے۔

خود حضرت نبی کریم ﷺ کو بھی موت کی سختی پیش آئی، یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ کے وصال کے وقت آپ کے سامنے ایک پانی کا پیالہ تھا، جس میں آپ ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرے کو پونچھتے تھے اور "لا إله إلا الله" کہتے جاتے تھے اور فرماتے کہ موت کی سختیاں ہوتی ہیں اور آپ "الرفيق الأعلى" کہتے ہوئے، اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔(۲)

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ اس وقت یہ دعا بھی کر رہے تھے کہ اے اللہ! موت کی سختی میں میری مدد فرما۔(۳)

---

(۱) صفة الصفوة: ۱۴۴/۲

(۲) صحيح البخاري: ۶۵۱۰

(۳) سنن الترمذي: ۹۷۸، سنن ابن ماجه: ۱۶۲۳، مسند أحمد: ۲۴۴۱۰، السنن الكبرى للنسائي: ۷۰۶۴

جب آپ ﷺ کو یہ سختی پیش آئی ہے، تو دوسروں کو بھی پیش آئے گی؛ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ

«مَا أَغْبِطُ أَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.»(۱)

(رسول اللہ ﷺ پر موت کی شدت کو دیکھنے کے بعد میں کسی کی موت کی آسانی دیکھ کر رشک نہیں کرتی۔)

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح فرمایا کہ

«و لا أكره شِدَّةَ الموتِ لأحد أبداً بعد ما رأيتُ النبيَّ ﷺ.»(۲)

(جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ پر موت کی شدت کو دیکھا، تو میں کسی پر موت کی شدت کو برا نہیں سمجھتی۔)

الغرض موت کی شدت بہت سے لوگوں کو ہوتی ہے اور خود حضرت رسالت مآب ﷺ کو بھی پیش آئی ہے اور موت کی سختی یا تو اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے درجات بلند کرنا چاہتے ہیں، جیسے حضرات انبیا اور اولیا کے حق میں ہوتا ہے، یا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اس شدت اور سختی کو انسان کے گناہوں کا کفارہ بنا دینا چاہتے ہیں، جیسے کہ عام مؤمنین کے حق میں ہوتا ہے۔

بہ ہر حال اس وقت مریض کو چاہیے کہ وہ صبر کے فضائل کا دھیان کرے، جو احادیث میں وارد ہیں۔ مثلاً:

ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« لاَ يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا إِلاَّ رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً .»(۳)

(۱) سنن الترمذي :۹۹۵

(۲) السنن الكبرى للنسائي:۸۰۶۹

(۳) سنن الترمذي:۹۶۵، مسند أحمد:۲۴۲۰۳، مسند إسحاق:۱۵۲۹، مصنف ابن أبي شيبة:۱۰۹۰۶

(مؤمن کو کوئی کانٹا یا اس سے بھی کم درجے کی کوئی چیز نہیں چبھنے پاتی؛ مگر اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بڑھا دیتے اور ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں۔)

ایک حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« مَا مِنْ شَيْءٍ يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ نَصَبٍ، وَ لاَ حَزَنٍ، وَ لاَ وَصَبٍ؛ حَتَّى الْهَمُّ يَهُمُّهُ، إِلَّا يُكَفِّرُ اللَّهُ بِهِ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ. » (۱)

(مؤمن کو پریشانی اور غم اور تکلیف میں سے کچھ بھی پہنچتا ہے، یہاں تک کہ کوئی بات جس کا اسے فکر ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا اسے کفارہ بنا دیتے ہیں۔)

موت کی شدت میں اہل اللہ کی کیفیت

ان احادیث میں دنیا میں پیش آنے والی مصیبتوں اور پریشانیوں پر صبر کا بڑا عظیم اجر وثواب بتایا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس میں موت کے وقت کی سختی وپریشانی بھی داخل ہے اور اس پر صبر بھی اسی طرح باعثِ اجر وثواب ہے، جس طرح کہ دیگر مصائب پر صبر۔ ان ہی احادیث کے پیشِ نظر اہل اللہ کا حال ایسے وقت یہ ہوتا تھا کہ وہ صبر وتحمل کرتے اور راضی بہ رضا رہتے تھے۔ اس سلسلے میں تاریخ میں اہل اللہ کے واقعات اتنی کثرت کے ساتھ ملتے ہیں، جن کا احصا واحاطہ ناممکن معلوم ہوتا ہے، لہٰذا دو چار واقعات ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

حضرت سیار بن سلامہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ کے انتقال کے وقت ان کے پاس گیا، ان پر موت کی سختیاں پڑ رہی تھیں، میں نے ان کو دیکھا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ جو اللہ کو پسند ہے، وہی مجھے بھی پسند ہے۔ (۲)

(۱) سنن الترمذي: ۹۸۱
(۲) الثبات عند الممات: ۳۹

اسی طرح مشہور تابعی بزرگ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا حال لکھا ہے کہ ان کی وفات کے وقت ان پر بار بار بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی اور جب بھی کچھ ہوش آتا تو وہ کہتے کہ

"امر خداوندی پر میں راضی ہوں اور صبر کرتا ہوں اور امیدِ ثواب رکھتا ہوں؛ یہاں تک کہ اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا۔"(۱)

کہتے ہیں کہ بصرہ کے ایک عابد و زاہد شخص کا انتقال ہونے لگا اور سکراتِ موت میں شدت ہونے لگی، تو لوگوں نے ان کے حق میں دعا کی کہ اے اللہ! ان کو اس سے راحت عطا فرما، وہ زاہد آدمی کہنے لگے کہ خدا کی قسم! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا دم قیامت تک گھٹتا رہے، کیوں کہ اصل بلا و مصیبت تو موت کے بعد ہے اور موت بندے پر آنے والی مصیبت میں ہلکی مصیبت ہے۔(۲)

حضرت حسان بن سنان رحمہ اللہ ایک تابعی ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا بھی ہے اور ان سے روایت بھی کیا ہے، ان کے بارے میں حضرت عاصم بن قرہل کہتے ہیں کہ ہم لوگ ان کی خدمت میں گئے، جب کہ ان پر سکرات موت طاری تھی، بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ کیا آپ موت کی شدت محسوس کر رہے ہیں؟ تو وہ رونے لگے اور فرمایا کہ ہاں! یہ تو ہے؛ لیکن مؤمنین کو چاہیے کہ وہ موت کی سختی اور تکالیف میں تسلی رکھیں؛ کیوں کہ ان تکالیف کی وجہ سے وہ اللہ سے ملاقات کا سرور پاتے ہیں۔(۳)

وبالله التوفيق

---

(۱) الثبات عند الممات:۱۳۶

(۲) المجالسة للدينوري:۲۸۵۶

(۳) الثبات عند الممات:۱۵۱

فصل هفتم

حسنِ خاتمہ کی علامات

حسنِ خاتمہ اور نیک انجام تو درحقیقت ایک مخفی امر ہے، جس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی واقف ہوتے ہیں یا وہ شخص جس کے ساتھ معاملہ پیش آتا ہے؛ لیکن اس مخفی امر پر کچھ علامات ہیں، جن سے ایک شخص کے نیک انجام اور حسنِ خاتمہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ علمائے کرام نے حسنِ خاتمے کی چند علامات بیان کی ہیں، یہاں ان میں سے چند اہم علامات بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی علامت-موت کے وقت کلمۂ شہادت پڑھنا

ایک علامت یہ ہے کہ مرنے والا کلمۂ شہادت پڑھتا ہوا انتقال کر جائے، جیسا کہ حدیثِ رسول میں ہے کہ: حضرت معاذ بن جبل ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

«مَنْ كَانَ آخِرُ كَلامِهِ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.»

(جس شخص کا آخری کلام: ''لا إِلَـهَ إِلَّا الـله'' ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔)(1)

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا آخری کلام کلمۂ توحید ''لا إله إلا الله'' ہوگا، یہ اس بات

(1) سنن أبي داود: ٣١١٨، مسند أحمد: ٢٢٠٨٧، مسند البزار: ٢٦٢٦، المستدرك للحاكم: ١٢٩٩، المعجم الكبير للطبراني: ١٦٦٣٥

کی علامت سمجھی جائے گی کہ وہ حسن انجام کو پہنچ گیا اور اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

چند اہم فوائد

اس موقع پر چند اہم فوائد کا ذکر کر دینا مناسب ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ اس حدیث میں جو "لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ" پڑھنے کا ذکر ہے، اس سے کیا صرف اتنا ہی پڑھنا مراد ہے اور صرف اتنا پڑھنے پر یہ فضیلت اس کو مل جائے گی، یا اس سے مراد پورا کلمہ شہادت: "لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" ہے؟ اس سلسلے میں علما کی آرا مختلف ہیں: بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اتنا ہی کلمہ: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" ہے کہ اگر اتنا پڑھ لیا، تو اس کو یہ بشارت مل جائے گی، جب کہ بہت سے علما کی رائے یہ ہے کہ کلمے کے دونوں جز مراد ہیں؛ مگر چوں کہ عام طور پر "لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰه" پڑھنے کا مطلب یہی لیا جاتا ہے کہ پورا کلمہ پڑھا جائے، اس لیے حدیث میں صرف ایک جز کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

چناں چہ امام نووی شافعی رحمہ اللہ نے "روضة الطالبين" اور علامہ خطیب شربینی نے "الإقناع" میں تلقین میت کے سلسلے میں دونوں اقوال کا تذکرہ کیا ہے اور جمہور کا یہی قول نقل کیا ہے کہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کی جائے اور دوسرا قول ایک جماعت علما کا یہ نقل کیا ہے کہ اس کے ساتھ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی بھی تلقین کی جائے اور لکھا ہے کہ اسی کی تصریح قاضی ابو الطیب، ماوردی، سلیم رازی، نصر المقدسی، ابو العباس الجرجانی اور شاشی نے کی ہے؛ مگر پہلا قول ہی اصح ہے۔ (۱)

امام زین الدین بن المنیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ وغیرہ حضرات کی رائے بھی یہی ہے کہ اس سے مراد پورا کلمہ ہے۔ (۲)

نیز حضرات علما و فقہا نے جہاں تلقین کا ذکر کیا ہے، وہاں اکثر نے یہی لکھا ہے کہ کلمے کے دونوں جز کی تلقین کی جائے؛ چناں چہ البحر الرائق، الجوهرة النيرة وغیرہ کتب میں عموماً

---

(۱) روضة الطالبين: ۲/۹۷، الإقناع: ۱/۱۷۹

(۲) فتح الباري: ۳/۱۱۰، تحفة الأحوذي: ۴/۵۲، عون المعبود: ۸/۳۸۶

یہی لکھا ہے،اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مرادِ حدیث دونوں جزوں کا ورد ہے۔(۱)

(۲) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ بشارت دراصل اس بات پر ہے کہ آدمی کا انتقال کلمۂ توحیدواسلام پر ہو؛ لہٰذا یہ کلمہ خواہ ''لا إلٰـهَ إلَّا اللّٰهُ '' ہو یا اور کوئی کلمہ ہو، جو اس پر دلالت کرتا ہو،سب کا حکم یہی ہے۔

علامہ سندھی ؒ نے لکھا ہے کہ'' حدیث کی مراد یہ ہے کہ آخری کلام ایسا ہو، جو توحید پر دلالت کرتا ہو،خواہ کسی بھی ذکر وعبادت کے ذریعے ہو، یہ مراد نہیں کہ خاص کلمۂ طیبہ'' لَا إلٰهَ إلَّا اللّٰهُ ''ہی کہا جائے ؛ کیوں کہ مقصود تو معانی ہوا کرتے ہیں، نہ کہ الفاظ اور اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری کلام تو''الرفیق الاعلی'' تھا؛ مگر چوں کہ یہ کلام دراصل کمالِ توحید کا ثمرہ ہے،اس لیے یہ توحید پر بہ تمام وکمال دلالت کرنے والا ہے۔(۲)

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو کلمۂ توحید پر مرنے کی یہ بشارت سنائی گئی ہے، یہ اس صورت میں ہے؛ جب کہ ایک شخص کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی دنیوی کلام نہ کرے اور اگر کلمہ پڑھنے کے بعد دنیوی کلام کر دیا،تو وہ بشارت اسے نہ ملے گی؛اس لیے علما نے لکھا ہے کہ ایک بار کلمہ پڑھنے کے بعد اس نے کوئی دنیوی بات چیت کر دی،تو دوبارہ اسے تلقین کرنا چاہیے؛ تا کہ یہ فضیلت اس کو مل جائے۔

چناں چہ امام قاضی عیاضؒ ''إکمال المعلم شرح مسلم ''میں رقم طراز ہیں کہ

'' و جعلوا الحدَّ في ذلک إذا قالها مرةً ألاّ یُکرّر علیه إلاّ أن یتکلم بکلام آخر، فیُعادُ علیه، حتّی یَکُون آخِرُ کَلامِه ؛ لیُرْجٰی له بذلک الدُّخولُ في قَوْله: (مَنْ کَانَ آخِرُ کَلامِه :لَا إلٰهَ إلَّا اللّٰهُ، حَرَّمَه اللّٰهُ علَی النَّارِ)''

(۱) البحر الرائق:۲/۱۸۴، الجوهرة النیرة:۱/۳۹۷،درر الحکام شرح غرر الأحکام:۲/۲۴۴

(۲) حاشیة العلامة السندي علی البخاري:۴/۱۴۹

(ایک بار کلمہ پڑھنے کے بعد دوبارہ نہ کہلوانے کے لیے علمانے حد یہ مقرر کی ہے کہ وہ دنیوی بات چیت نہ کرے؛ لہٰذا اگر بات چیت کیا، تو دوبارہ لوٹایا جائے گا؛ تا کہ اس کا آخری کلام کلمہ ہو؛ تا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے اس قول: (من کان آخر کلامه: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، حرمه الله علی النار) میں داخل ہونے کا امیدوار ہو سکے۔)(۱)

(۴) ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ علمائے کرام نے اس بارے میں کلام کیا ہے کہ اس حدیث میں جو بشارت وارد ہوئی ہے کہ ''جس کا آخری کلام ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' ہوگا، اس کے لیے جنت ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کو پڑھتا ہوا انتقال کر جائے اور بعض نے کہا کہ خواہ وہ ان الفاظ کو پڑھتے ہوئے انتقال کرے یا اس عقیدے پر اس کا انتقال ہو، یہ بشارت دونوں کو ملے گی؛ لہٰذا کوئی شخص اگر چہ کہ ان الفاظ کو زبان سے نہ پڑھے، مگر اسی عقیدۂ توحید پر مرے، تو وہ بھی جنتی ہے اور یہ اس کے حسنِ خاتمہ کی دلیل ہے۔

مگر محققین حضرات نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں جس بشارت کا ذکر ہے، اس سے مراد کلمۂ توحید پڑھتے ہوئے موت کا آنا ہے اور یہی دراصل وہ فضیلت ہے، جس کی وجہ سے اسے یہ بشارت سنائی گئی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ باقی وہ شخص جس کا توحید اور اسلام پر ایمان تھا اور وہ موت کے وقت کسی وجہ سے کلمہ نہیں پڑھ سکا، تو وہ بھی ضرور جنت میں جائے گا؛ مگر اس کو وہ فضیلت نہیں ملے گی، جو اس حدیث میں وارد ہوئی ہے۔

علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

'' ويُـنَزَّلُ حديث: (من كان آخر كلامه: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ) خُصُوصاً لِمَن كان هذا آخر نُطقِه وخَاتِمَة لفظِه، و إن كان قبلُ مُخلِّطاً، فيكون سبباً لرحمة الله له، و نجاته رأساً من

(۱) إكمال المعلم:۳/۳۵۶

النار و تحريمه عليها، بخلاف من لم يكن ذلك آخر كلامه من الموحدين المُخلّطين." (۱)

(اور اس حدیث کو کہ ''جس کا آخری کلام "لَا إلٰـهَ إلَّا اللّٰـهُ" ہو، وہ جنت میں جائے گا خاص طور پر اس شخص پر محمول کیا جائے گا، جس کی آخری گفتگو اور خاتمہ کلام یہ کلمہ ہو، اگر چہ کہ اس سے پہلے وہ ایمان کے ساتھ برائیاں بھی کیوں نہ کرتا رہا ہو؛ لہٰذا یہ کلمہ توحید اس کے حق میں اللہ کی رحمت کا اور یکسر دوزخ سے نجات کا اور دوزخ کے اس پر حرام ہونے کا سبب ہوگا؛ برعکس ان توحید پرست گناہ گاروں کے جن کا آخری کلمہ یہ نہ ہو۔)

علامہ نووی شارحِ مسلم نے اس سے اتفاق بھی کیا ہے اور اس کی تحسین بھی کی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری ؒ فرماتے ہیں کہ

''یہاں کلمے سے ایمان اور عقیدے کے اظہار کے لیے کلمہ پڑھنا مراد نہیں ہے؛ بل کہ یہاں نیک اعمال میں سے ایک عمل اور حسنات میں سے ایک نیکی (یعنی ذکر) مراد ہے، جس کا اجر دنیا سے چلتے وقت پڑھنے پر نجات کی صورت میں ملے گا اور یہ ایک فضیلت ہے، اس شخص کی جس کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوجائے۔''(۲)

(۵) اس حوالے سے ایک پانچواں فائدہ یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ بشارت وفضیلت اس شخص کے حق میں بیان کی گئی ہے، جو کلمہ توحید پڑھتے ہوئے اس دارِ فانی سے رخصت ہوتا ہے اور یہاں مراد ایمان اور عقیدے کے واسطے اس کلمے کا پڑھنا نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ تو اس کو پہلے سے حاصل ہے، تو یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی مسلمان آدمی اس طرح انتقال کر گیا کہ اس کی زبان پر یہ کلمہ نہیں آیا، تو اس کو -نعوذ باللہ- برا نہیں سمجھ سکتے؛

(۱) إكمال المعلم شرح مسلم للقاضي عياض: ۲۵۵/۱

(۲) فيض الباري شرح البخاري: ۳۲۸/۱، ۵۷/۴

کیوں کہ جب وہ مسلمان ہے، تو ضرور جنتی ہے، خواہ جلدی داخل ہو، یا بہ دیر داخل ہو۔ مثلاً بعض لوگ بے ہوشی میں یا سوتے ہوئے انتقال کر جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں کلمہ پڑھنا ان کو نصیب نہیں ہوتا؛ مگر اس کی وجہ سے ان کو برا نہیں سمجھ سکتے۔

(۶) مرنے والے انسان کو کلمے کی تلقین کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے؛ تاکہ وہ یہ کلمہ پڑھتے ہوئے انتقال کرے اور اس کو یہ فضیلت حاصل ہو اور اس لیے بھی کہ اس وقت شیطان اس کو بہکانے کی بڑی کوشش کرتا ہے؛ لہٰذا اس موقع پر کوئی یاد دہانی کرنے والا ہونا مناسب ہے۔

چناں چہ متعدد صحابۂ کرام سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

« لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. »(۱)

(اپنے مرنے والے لوگوں کو "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کرو!)

ایک اور حدیث میں اس طرح فرمایا گیا ہے:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِنَّهُ مَنْ كَانَ آخِرُ كَلِمَتِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عِنْدَ الْمَوْتِ، دَخَلَ الْجَنَّةَ يَوْمًا مِنَ الدَّهْرِ، وَ إِنْ أَصَابَهُ قَبْلَ ذٰلِكَ مَا أَصَابَهُ.

(اپنے مرنے والوں کو "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کرو، کیوں کہ جس کا آخری کلام موت کے وقت "لا الہ الا اللہ" ہوگا، وہ کسی نہ کسی زمانے میں جنت میں داخل ہوگا؛ اگر چہ کہ اس سے پہلے اس نے جو بھی کیا ہو۔)(۲)

ان احادیث کی وجہ سے حضرات علمائے کرام نے کہا ہے کہ مرنے والے آدمی کو کلمے کی تلقین کرنا مستحب ہے اور بعض نے اس کو واجب بھی مانا ہے، جیسا کہ علامہ حصکفی وعلامہ

---

(۱) صحيح مسلم:۲۱۶۲، سنن أبي داود:۳۱۱۹، سنن الترمذي:۹۷۶، سنن النسائي:۱۸۲۶، سنن ابن ماجه:۱۴۴۴، صحيح ابن حبان:۳۰۰۳، المنتقى لابن الجارود:۴۹۸

(۲) صحيح ابن حبان:۳۰۰۴

شامی نے نقل کیا ہے؛ مگر شامی نے ''النهر الفائق '' سے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ اس کو واجب کہنا مجازاً ہے؛ کیوں کہ ''درایہ'' میں تلقین کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے۔(۱)

ہاں! ایک بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ تلقین کا انداز یہ نہیں کہ مرنے والے کو حکم دیا جائے کہ کلمہ پڑھو، کلمہ پڑھو اور اس پر اسے زور دیا جائے؛ نہیں! بل کہ کلمے کی تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے بہ آوازِ بلند کلمہ پڑھا جائے؛ تا کہ وہ بھی سن کر پڑھنے لگے اور جب وہ ایک بار پڑھ لے، تو دوبارہ اس کو پڑھنے کے لیے مجبور نہ کرے، اسی طرح تلقین میں کلمہ پڑھنے پر اصرار بھی نہ کیا جائے؛ کیوں کہ موت کا وقت مرنے والے کے لیے بڑی مشکل کا ہوتا ہے، کہیں وہ انکار نہ کردے۔ علمائے کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔(۲)

اور حدیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، چناں چہ حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

«لَقِّنُوْا مَوتَاكُمْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ لاَ تُمِلُّوْهُمْ.» (۳)

(اپنے مرنے والے لوگوں کو ''لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کی تلقین کرو اور ان کو تنگ نہ کرو۔)

امام دیلمی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

'' لَقِّنُوْا موتاكم لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ولا تملوهم ؛ فإنهم في سكرات الموت.''(۴)

(اپنے مرنے والوں کو ''لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کی تلقین کرو اور ان کو تنگ نہ کرو؛ کیوں کہ وہ اس وقت موت کی سکرات یعنی سختیوں میں ہوتے ہیں۔)

(۱) رد المحتار على الدر المختار للشامي:۲/۱۹۰

(۲) البحر الرائق:۲/۱۸۴، الجوهرة النيرة:۱/۳۹۷، العناية شرح الهداية:۲/۳۶۲

(۳) فوائد الإمام تمام: ۱۱۴۳، فضل التهليل للإمام ابن البناء: ۲۳

(۴) جامع الأحاديث:۹/۱۸۵۷، كنز العمال:۴۲۲۰۳

ان احادیث میں بتایا گیا ہے کہ مرنے والے پر موت کی سختیاں آتی ہیں؛ لہٰذا اس وقت تلقین میں اصرار نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت ابن المبارک کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ جب ان پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی، تو لوگ ان کو کلمے کی تلقین کرنے لگے اور حضرت نے کلمہ پڑھ دیا؛ مگر لوگ پھر بھی تلقین کرتے جا رہے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ جب میں نے ایک بار کلمہ پڑھ دیا تو وہ کافی ہے، میں جب تک کوئی دنیوی گفتگو نہ کروں، میں اسی پر باقی ہوں۔(۱)

دوسری علامت-طاعت و نیکی پر موت ہونا

حسنِ خاتمے کی دوسری علامت یہ ہے کہ انسان کو موت نیکی و طاعت کی حالت میں آئے، جیسے نماز پڑھتے ہوئے یا روزے کے ساتھ یا ذکر و تلاوت کرتے ہوئے، تو یہ بھی علامت ہے کہ یہ بندہ حسنِ انجام کو پہنچا ہے اور ایمان پر اس کی موت واقع ہوئی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

«يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ.»(۲)

(ہر بندہ اسی حالت پر اٹھایا جاتا ہے، جس پر اس کی موت ہوئی ہے۔)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَكَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ؟ قَالَ: يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ، ثُمَّ يَقْبِضُهُ عَلَيْهِ.(۳)

(اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، تو اس کو کام

---

(۱) فتح الباري: ۱۰۹/۳، البحر الرائق: ۱۸۴/۲

(۲) صحيح مسلم: ۷۴۱۳، مسند أحمد: ۱۴۵۸۳، صحيح ابن حبان: ۷۳۱۹، مسند أبي يعلى: ۱۹۰۱، المستدرك للحاكم: ۳۶۸۸

(۳) مسند أحمد: ۱۲۲۳۵، مسند أبي يعلى: ۳۷۵٦

میں لگا دیتے ہیں، صحابہ نے پوچھا کہ کس طرح کام میں لگا لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اسے نیک عمل کی توفیق دیتے ہیں اور پھر اسی پر اس کو موت دیتے ہیں۔)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

«إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا عَسَلَهُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَا عَسَلُهُ؟ قَالَ: يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ، ثُمَّ يَقْبِضُهُ عَلَيْهِ.» (1)

(اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ خیر و بھلائی چاہتے ہیں، تو اس کو محبوب بنا لیتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ کس طرح محبوب بنا لیتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اس کو نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں اور اسی پر اس کو موت دیتے ہیں۔)

ان احادیث میں سے پہلی حدیث کے دو مطالب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہر بندہ اپنے اس عقیدے کے مطابق قیامت میں اٹھایا جاتا ہے، جس پر اس کی موت ہوئی ہے اور دوسرے یہ کہ ہر بندہ اسی عمل پر اٹھایا جاتا ہے، جس کو انجام دیتے ہوئے، اس کی موت ہوئی ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث کے بھی دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو نیکی کی توفیق دیتے ہیں اور اسے نیک ہونے کی حالت میں موت دیتے ہیں اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس کو نیکی کرتے ہوئے موت دیتے ہیں۔ اس مفہوم کے لحاظ سے نیکی وطاعت بجالاتے ہوئے، موت کا آنا حسنِ انجام کی علامت ہے۔

نیز اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں ایک صحابی کا قصہ آیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں اپنے اونٹ پر سوار تھے کہ اچانک گر پڑے اور اونٹ نے ان کی گردن پر پیر رکھ دیا اور وہ انتقال کر گئے۔ جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی، تو آپ نے فرمایا کہ

«اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تَمَسُّوهُ طِيبًا،

(1) مسند البزار: ۲۳۱۰، المعجم الأوسط للطبراني: ۳۶۵۶

وَلاَ تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، وَلاَ تُحَنِّطُوهُ؛ فَإِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا.» (۱)

(ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور خوشبو نہ لگاؤ اور ان کے سر کو ڈھانپ نہ دو اور کافور وغیرہ بھی نہ لگاؤ؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت میں اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ تلبیہ پڑھتے ہوں گے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی طاعت و نیکی پر مرتا ہے، تو وہ اسی حالت میں اٹھایا جاتا ہے؛ لہٰذا حج کرتا ہوا مر جائے، تو اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

بخاری و مسلم وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« لاَ يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ إِلاَّ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ، اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ، وَالرِّيحُ رِيحُ مِسْكٍ. »

(کوئی شخص اللہ کے راستے میں زخمی نہیں ہوتا اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے میں زخمی ہوتا ہے؛ مگر وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے زخم سے خون رس رہا ہوگا، جس کا رنگ تو خون کا ہوگا اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی۔) (۲)

ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص جس نیکی و طاعت پر مرتا ہے، وہ اسی طاعت و نیکی کی حالت میں اٹھایا جاتا ہے اور جب وہ نیکی و طاعت پر اٹھایا جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں اور وہ نیک لوگوں میں شمار ہوتا ہے؛

---

(۱) صحيح البخاري :۱۸۵۰، صحيح مسلم :۱۹۴۸، سنن ابی داود:۳۲۴۰، سنن النسائي:۲۸۵۵، سنن الترمذي:۹۵۱

(۲) صحيح البخاري :۲۸۰۳، صحيح مسلم :۴۹۷۰، سنن الترمذي :۱۶۵۶، سنن النسائي:۳۱۴۷، مسند احمد:۷۳۰۰، صحيح ابن حبان:۴۶۵۲

لہٰذا طاعت ونیکی کی حالت میں مرنا بھی حسنِ انجام کی ایک علامت ہوئی۔

طاعت پر وفات پانے والوں کے چند واقعات

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اہل اللہ کے واقعات کا تذکرہ کردیا جائے؛ جنھوں نے طاعت ونیکی کی حالت پر اس دنیا سے کوچ کیا اور تاریخ نے ان کے احوال کو منضبط کیا ہے۔

اس سلسلے میں تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو بے شمار واقعات ایسے لوگوں کے مل سکتے ہیں، جنھیں اللہ تعالی نے یہ سعادت بخشی کہ وہ یہاں سے جاتے ہوئے عبادت واطاعت، نیکی و خیر کے کام انجام دیتے ہوئے اس کی بارگاہ قدس میں حاضری دیں، لیکن یہاں سب کا حاطہ مقصود نہیں؛ بل کہ نمونے کے طور پر اور ترغیب کے لیے چند منتخب واقعات کا ذکر کرتا ہوں:

حضرت عامر بن عبداللہ بن الزبیر ﷫

امام ربانی حضرت عامر بن عبداللہ بن الزبیر ﷫ کا انتقال اس شان کے ساتھ ہوا کہ آپ نے حالتِ نزع میں جب مغرب کے وقت مؤذن کی آواز سنی؛ تو ارشاد فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑو اور مسجد لے چلو۔ احباب اور اہلِ خانہ نے عرض کیا کہ آپ تو علیل ہیں؟ فرمایا کہ میں اللہ کے منادی کی آواز سنوں اور اس کی جانب نہ جاؤں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ پس لوگ ان کا ہاتھ پکڑ کر مسجد کو لے گئے اور وہ مسجد میں داخل ہوئے اور امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئے اور ایک رکعت ہوئی تھی کہ اسی حالت میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ (۱)

فقیہ ابوالفتح نصر بن ابراہیم المقدسی ﷫

امام فقیہ ابوالفتح نصر بن ابراہیم المقدسی ﷫ اپنے وقت کے بڑے امام فقہ گزرے ہیں، شافعی مسلک کے مطابق عمل کرتے تھے، بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی وفات کا واقعہ ان کے ایک تلمیذ علامہ نصر نے بیان کیا ہے کہ وفات سے ایک گھڑی قبل انھوں نے

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۹/۲۵۳

کسی کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے مہلت دو، میں بھی مامور ہوں اور تم بھی مامور ہو۔ پھر عصر کی اذان ہونے لگی، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! اذان ہو رہی ہے۔ فرمایا کہ مجھے بٹھادو، جب بٹھادیے گئے؛ تو نماز کی تکبیر باندھ لی اور ہاتھ اٹھا کر ایک پر دوسرے کو رکھا اور نماز پڑھتے ہوئے انتقال کر گئے۔(۱)

حضرت امام ابراہیم بن ہانی نیساپوری رحمہ اللہ

حضرت امام ابراہیم بن ہانی نیساپوری رحمہ اللہ بہت بڑے عالم، محدث اور ابدالِ زمانہ تھے، ان کے وصال کا حال ان کے ایک متعلق امام ابوبکر نیساپوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ روزے کی حالت میں تھے اور اپنے صاحب زادے اسحاق سے کہہ رہے تھے کہ پردہ ہٹاؤ۔ بیٹے نے کہا کہ پردہ تو ہٹا ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ صاحب زادے نے پانی لا کر پیش کیا، تو پوچھا کہ کیا سورج غروب ہو گیا؟ عرض کیا گیا کہ نہیں! تو فرمایا کہ پھر تو رہنے دو اور پھر یہ آیت تلاوت کی ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ﴾ اور تلاوت کرتے ہوئے انتقال فرما گئے۔(۲)

حضرت مرشدی مسیح الامت جلال آبادی رحمہ اللہ

میرے استاذ اور شیخ حضرت مسیح الامت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ جو حضرت حکیم الامت تھانوی کے جلیل القدر خلیفہ تھے، آپ کے وصال کا واقعہ بھی بڑا حیرت انگیز اور روح پرور ہے۔

آخری زندگی میں آپ کو متعدد بیماریوں نے گھیر لیا تھا اور کمزوری وضعف انتہائی درجے کو پہنچا ہوا تھا، خود یہ احقر آپ کے وصال سے صرف پندرہ روز پہلے آپ کے پاس ایک ماہ قیام کر کے آیا تھا اور اس وقت میں دیکھتا تھا کہ ضعف وکمزوری کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۲۷/۱۷

(۲) تاریخ بغداد: ۲۰۴/۶

سے بھی معذور تھے، یہاں تک کہ اپنے ہاتھ بھی کسی سے مصافحے کے لیے نہیں بڑھا سکتے تھے؛ مگر جس رات وصال ہوا، تو آپ سو چکے تھے اور آپ کے خادم مولانا عنایت اللہ لندنی بھی سو چکے تھے، مولانا عنایت اللہ صاحب نے کافی رات گئے محسوس کیا کہ ذکر کی آواز آرہی ہے، بیدار ہوئے، تو دیکھا کہ حضرت والا بیٹھے ہوئے ذکر جہری میں مشغول ہیں۔ مولانا کو یہ بات عجیب لگی کہ آپ کمزوری کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور تھے، تو کس طرح آپ اٹھ کر بیٹھ گئے! انھوں نے حضرت کے صاحب زادے حضرت مولانا صفی اللہ خان صاحب کو بیدار کیا اور دوسرے حضرات کو بھی بیدار کیا اور اطلاع کی۔ وہ سب لوگ جمع ہوئے اور حضرت سے بات کرنا چاہا؛ مگر ایسا معلوم ہوا کہ آپ کسی اور عالم میں مشغول ہیں اور اس عالم ناسوت سے گویا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ الغرض برابر ایک گھنٹے تک ذکر جہری میں مشغول رہے اور اسی حال میں جان جان آفریں کو سپرد کردی۔

حضرت مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ

عالم اسلام کی معروف و مستند شخصیت مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات بھی قابلِ رشک موت تھی۔

آپ کی وفات قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے ہوئے واقع ہوئی، یہ جمعہ کا دن تھا اور آپ نے دوسروں کے سہارے غسل فرمایا اور ان متعلقین حضرات سے فرمایا کہ تم ہی لوگوں کا کام ہے کہ غسل کرادیتے ہو۔ پھر یہ کہہ کر دعا دی کہ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ پھر کیا ہوا؟ اس کو حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی کی زبانی سنیے:

> ”وہ بیان کرتے ہیں کہ خدام جلدی جلدی کپڑے پہنانے لگے، حضرت نے فرمایا کہ جمعہ میں کچھ تاخیر ہوسکتی ہے؟ خدام نے عرض کیا کہ جب حضرت پوری طرح فارغ ہوجائیں گے تب ہی جمعہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ عبداللہ سے کہہ دینا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ جب شیروانی پہنائی

جانے لگی، تو فرمایا کہ وقت کم ہے، جلدی سے قرآن مجید دے دو، ﴿سُوْرَةُ الْكَهْفِ﴾ پڑھنی ہے۔ پھر حضرت کو اندازہ ہو گیا کہ وقت اس سے بھی کم ہے، اس لیے خود ﴿سُوْرَةُ يٰسٓ﴾ شروع فرما دی۔ خدام کو اس وقت بھی اندازہ نہ ہوا، شیروانی پہنا کر بٹن بھی لگا دیے گئے، موزے بھی پہنا دیے گئے۔ حضرت قبلہ رو بستر پر تشریف فرماتے تھے، ﴿سُوْرَةُ يٰسٓ﴾ کی تلاوت کو شروع کیے ہوئے شاید آدھا منٹ بھی نہ ہوا ہوگا، رومال تہ کر کے سر مبارک پر ڈالا ہی گیا تھا کہ اچانک حضرت کا جسم مبارک پشت کی طرف ڈھلکنے لگا۔ خدام نے سہارا دے کر جب سیدھا کیا تو چہرۂ مبارک سے صاف محسوس ہوتا تھا کہ حضرت دوسرے عالم کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔"(۱)

رفیقِ محترم حضرت مولانا عطاء اللہ قاسمی رحمہ اللہ

ہمارے دوست حضرت مولانا عطاء اللہ شریف صاحب قاسمی رحمہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور متعدد مدارس میں قرآن وعلمِ دین کی خدمت کرتے رہے اور آخر میں "مسجد منہاج، منہاج نگر، بنگلور" میں فرائضِ امامت وخطابت پر کئی سال تک مامور رہے، ان کی وفات کا قصہ بھی حیرت انگیز ہے کہ آپ عشا کی نماز پڑھا رہے تھے اور نماز کی پہلی رکعت میں ﴿سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ﴾ کا پہلا رکوع پڑھا اور دوسری رکعت میں اسی کا دوسرا رکوع پڑھتے ہوئے جب اس آیت کریمہ پر پہنچے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى.﴾

(اور وہ شخص جو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کھائے اور اپنے نفس کو خواہش سے روکے، اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔)

(۱) سوانحِ مفکرِ اسلام: ۴۸۵

تو گر پڑے اور روح قبض ہوگئی۔ ماشاء اللہ! کس قدر پیاری موت آئی! اللہ مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے اور ہمیں بھی ایسی پیاری موت عطا فرمائے۔

تیسری علامت- پیشانی پر پسینا آنا

حسنِ خاتمے کی علامات میں سے ایک اہم علامت یہ ہے کہ مرنے والے کی پیشانی پر پسینا آ جائے۔ یہ پسینے کا موت کے وقت نکلنا اس بات کی علامت ہے کہ موت اچھی اور بالخیر ہوئی ہے اور مرنے والا اللہ کے یہاں قابلِ تکریم ہے۔

چناں چہ حضرت بریدہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

«إن الْمُؤْمِنَ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ .» (۱)

(بلاشبہ مؤمن پیشانی کے پسینے کے ساتھ مرتا ہے۔)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے بھی اسی طرح کی روایت امام بزار نے اپنے مسند میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں روایت کی ہے۔ (۲)

روایات میں آیا ہے کہ حضرت بریدہ ﷺ ایک مرض الموت میں مبتلا شخص کی عیادت کے لیے خراسان گئے، تو اس کی پیشانی پر پسینا دیکھا، تو انھوں نے وہاں یہ حدیث سنائی۔ (۳)

ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت علقمہ ﷺ ایک بار ایک شخص کے پاس گئے، جو موت وحیات کی کشمکش میں تھا، آپ نے دیکھا کہ اس کی پیشانی سے پسینا نکل رہا ہے، یہ دیکھ کر وہ ہنسنے لگے، یزید بن اوس نے پوچھا کہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مؤمن کی روح پسینا بہاتے ہوئے نکلتی ہے۔" (۴)

---

(۱) سنن الترمذي:۹۸۲، سنن النسائي:۱۸۲۹، سنن ابن ماجه :۱۴۵۲، مسند أحمد:۲۳۰۱۴، صحيح ابن حبان:۳۰۱۱، مسند الطيالسي:۸۴۶، السنن الكبرى للنسائي:۱۹۶۸

(۲) مسند البزار:۱۵۳۰، مصنف ابن أبي شيبة:۶۷۷۲

(۳) مسند أحمد:۲۳۰۹۷، مسند الطيالسي:۸۴۶

(۴) مصنف ابن أبي شيبة:۶۷۷۲

امام ابن الخباز کا ایک واقعہ

حضرت ابوبکر عامری معروف بہ ابن الخباز ﷫ بڑے عالم و فاضل تھے، جب ان کا انتقال ہونے لگا، تو بہت سے علمائے کرام و مشائخِ عظام جمع تھے، انھوں نے کہا کہ کوئی نصیحت کیجیے۔ آپ نے ان کو تقوے کی نصیحت کی اور فرمایا کہ اس موقع یعنی موت سے ڈرو۔ پھر لوگوں سے کہا کہ کیا میری پیشانی پر پسینا ہے؟ کہا گیا کہ ہاں ہے، تو فرمایا کہ الحمدللہ! یہ مؤمن کی علامت ہے۔(۱)

مؤمن کو موت کے وقت پسینا کیوں آتا ہے؟

یہاں یہ بیان کرنا مناسب ہوگا کہ حضرات علما نے یہاں بحث کی ہے کہ مؤمن کو موت کے وقت پسینا کیوں آتا ہے؟ اس سلسلے میں متعدد باتیں کہی گئی ہیں:

(۱) علامہ ابن الملک نے کہا کہ مؤمن کو موت کی سختی اس لیے پیش آتی ہے؛ تاکہ اگر اس کے گناہ ہوں، تو ان کو دھو دیا جائے اور اگر گناہ نہیں ہیں، تو اس کے درجات بلند کیے جائیں۔

(۲) متعدد حضرات نے اس کے ساتھ ایک عجیب وجہ اس کی یہ لکھی ہے کہ مؤمن کو یہ پسینا دراصل اس لیے آتا ہے کہ وہ موت کے وقت اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ سے شرماتا ہے اور اسی شرم و حیا کی وجہ سے اس کو پسینا آجاتا ہے۔ اس کے برخلاف کافر بے شرم ہوتا ہے، اس لیے اسے پسینا نہیں آتا۔

(۳) ایک بات اس سلسلے میں یہ بھی کہی گئی ہے کہ اس حدیث سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ مؤمن کو موت کی تکلیف بہت کم ہوتی ہے اور وہ بس اس قدر ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے صرف پیشانی پر پسینا آجاتا ہے۔(۲)

---

(۱) تاریخ الإسلام للذهبي:۱۸٦/۳٦

(۲) ان اقوال کے لیے دیکھیے: فیض القدیر: ۳۲۹/٦، حاشیة السندي علی النسائي: ۲/۴ ،تحفة الأحوذي:۳۸/۳

چوتھی علامت- جمعے کے دن موت ہونا

حسنِ خاتمہ کی ایک علامت یہ ہے کہ جمعے کے دن یا جمعے کی رات انتقال ہو۔ جمعے کے دن موت کی فضیلت میں متعدد روایات نقل کی گئی ہیں:

ا-حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

« مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ. »

(کوئی مسلمان جمعے کے دن یا جمعے کی رات میں وفات نہیں پاتا؛ مگر اللہ اسے قبر کے فتنے سے بچالیتے ہیں۔)

اس ارشادِ نبوی سے یہ بات اخذ کی گئی ہے کہ کسی مؤمن کا جمعے کے دن میں یا جمعے کی رات میں وفات پانا، اس کے حسنِ خاتمے کی علامت ہے؛ کیوں کہ اس حدیث میں اس جمعے کے دن یا رات میں انتقال کرنے والے کے حق میں فتنۂ قبر سے حفاظت کا وعدہ ہے۔

اس سلسلے میں بعض اور احادیث بھی وارد ہیں، جن کی تحقیق علما کے استفادے کے لیے حاشیے پر دی گئی ہے۔(۱)

---

(۱) جمعہ میں انتقال کی فضیلت پر وارد حدیث کی تخریج وتحقیق

جمعہ میں انتقال کی فضیلت کی حدیث دو طریقوں سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

پہلا طریق یہ ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے سنن میں برقم: (۱۰۷۴)، امام احمد نے مسند میں برقم: (۶۵۸۲)، امام طحاوی نے مشکل الآثار میں برقم: (۲۷۷)، امام ابن عساکر نے "تعزیة المسلم" میں برقم: (۱۰۸) اور امام مروزی نے "الجمعة وفضلها" میں برقم: (۱۲) روایت کیا ہے، امام احمد اور امام طحاوی نے اسے ابو عامر عقدی کے طریق سے اور امام ترمذی نے عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابو عامر عقدی کے طریق سے اور امام ابن عساکر نے اور امام مروزی نے عبدالرحمٰن ←

⇐ بن مہدی کے طریق سے روایت کیا ہے اور ان سب نے ہشام بن سعد عن سعید بن ابی ہلال عن ربیعہ بن سیف عن عبداللہ بن عمرو اس کی تخریج کی ہے۔

(۲) دوسرا طریق یہ ہے کہ اسے امام احمد نے مسند میں برقم: (۶۶۴۶) اور (۷۰۵۰)، امام عبد بن حمید نے اپنی مسند میں برقم: (۳۲۳)، امام طبرانی نے معجم کبیر میں برقم: (۱۵۴۴) اور معجم اوسط میں برقم: (۳۱۰۷)، امام بیہقی نے "إثبات عذاب القبر" میں برقم: (۱۵۶)، امام ابوالقاسم اصبہانی نے "الترغیب والترہیب" میں برقم: (۹۰۹)، امام ابن عساکر نے "تعزية المسلم" میں برقم: (۱۰۶) اور امام مروزی نے "الجمعة و فضلها" میں برقم: (۱۱) بطریق بقیہ ابن الولید عن معاویہ بن سعید عن ابی قبیل عن عبداللہ بن عمرو روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے یہ دونوں طریق اگر چہ کہ ضعف سے خالی نہیں، تاہم ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔

اس حدیث کے پہلے طریق میں ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ چناں چہ امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند متصل نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے ایک راوی ربیعہ بن سیف کو حضرت عبداللہ بن عمرو سے سماع حاصل نہیں۔ اسی طرح امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس کو منقطع قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سند منقطع ہے۔

اور اس کے ضعف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی ربیعہ بن سیف معافری ضعیف ہیں۔ امام بخاری نے کہا کہ ان کے پاس مناکیر ہیں، امام نسائی نے کہا کہ ضعیف ہیں۔

(دیکھو: تہذیب الکمال: ۹/ ۱۱۴، تہذیب التہذیب: ۳/ ۲۲۱)

اور اس کے ضعف کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی ہشام بن سعد ضعیف ہیں، ان کو امام یحیٰی بن معین، امام احمد اور امام نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور امام یحیٰی بن سعید القطان ان سے حدیث نہیں لیتے تھے۔ (تہذیب الکمال: ۳۰/ ۲۰۶–۲۰۷، تہذیب التہذیب: ۱۱/ ۳۷)

مگر ان اشکالات کا جواب دیا گیا ہے: جہاں تک ربیعہ بن سیف کے ضعف کا تعلق ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ وہ سب کے نزدیک ضعیف نہیں ہیں؛ بل کہ ان کے بارے جہاں ایک رائے ضعیف ہونے کی ہے، وہیں دوسرے رائے متعدد حضراتِ ائمہ کی یہ ہے کہ وہ ثقہ وصالح ہیں۔ ⇐

->

حافظ ابن حجر نے جہاں اوپر کے اقوال نقل کیے ہیں، وہیں ان کے بارے میں امام عجلی کا قول ثقہ ہونے کا نقل کیا ہے اور انھوں نے اور حافظ مزی دونوں نے امام دار قطنی کا قول ''مصری صالح'' نقل کیا ہے۔ امام ابن حبان نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، ہاں ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ وہ بہت غلطیاں کرتے تھے، الغرض ان کو مطلقاً ضعیف کہنا مشکل ہے، زیادہ سے زیادہ مختلف فیہ راوی کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح ہشام بن سعد کے بارے میں جہاں ایک رائے بعض ائمہ کی یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں، وہیں دوسری رائے اس کے خلاف بھی ملتی ہے۔ چناں چہ ان ہی ہشام بن سعد کے بارے میں امام یحییٰ ہی سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ صالح ہیں، متروک الحدیث نہیں ہیں اور امام عجلی نے کہا کہ وہ جائز الحدیث اور حسن الحدیث ہیں، امام ابوزرعہ نے کہا کہ یہ شیخ ہیں، ان کا مقام صدق ہے اور امام ابوحاتم نے کہا کہ ان کی حدیث لی جاسکتی ہے، مگر وہ حجت نہیں۔ حاکم نے کہا کہ امام مسلم نے ان کی حدیث شواہد میں لی ہے۔

(تہذیب الکمال:۳۰/۲۰۶-۲۰۷ تہذیب التہذیب:۱۱/۳۷، میزان الاعتدال:۴/۲۹۹)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ ربیعہ بن سیف معافری اور ہشام بن سعد دونوں مختلف فیہ راوی ہیں؛ لہٰذا ان کی حدیث تو اولاً ضعیف کہلانے کے بجائے، حسن کہلائے گی، دوسرے اس کا دوسرا طریق بھی ہے، جیسا کہ اوپر پیش کیا گیا، اس لیے اس کو مطلقاً ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔

اور جہاں تک اس کی سند میں انقطاع کا اعتراض ہے، تو بات یہ ہے کہ یہی حدیث امام احمد اور امام عبد بن حمید نے اپنی اپنی مسند میں اور امام طبرانی نے اپنے معجم کبیر اور معجم اوسط میں ایک دوسرے طریق سے روایت کی ہے، جس میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرنے والے ابوقبیل راوی ہیں۔

(مسند احمد:۶۶۴۶ اور ۷۰۵۰، مسند عبد بن حمید:۳۲۳، معجم کبیر طبرانی:۱۵۳۴، معجم اوسط:۳۱۰۷)

لہٰذا سند میں انقطاع کا اعتراض ساقط ہوگیا؛ کیوں کہ یہ سند متصل ہے۔ یہی وہ دوسرا طریق ہے، جس کا ذکر اوپر کر آیا ہوں، مگر اس کی سند میں تین راویوں پر کلام ہوا ہے:

ایک تو یہی ابوقبیل جن کا نام حی بن ہانی ہے کہ یہ کیسے راوی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ جمہور علما نے ان کی توثیق کی ہے: امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام ابوزرعہ نے ان کو ثقہ کہا ہے اور امام ابوحاتم نے صالح الحدیث قرار دیا ہے، اسی طرح فسوی، عجلی اور احمد بن صالح نے ان کی توثیق کی ہے۔ <-

(تہذیب التہذیب:۳/۶۴)

ہاں! علامہ ساجی نے ان کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور امام یحییٰ کا قول ان کی ضعیف ہونے کا ذکر کیا ہے؛ مگر جیسا کہ اوپر گزرا، انھوں نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے، تو یہ ضعف کا قول شاید کسی اور ثقہ کے لحاظ سے ہوگا اور امام یحییٰ کے ایسے بہت سے اقوال کتابوں میں ملتے ہیں کہ انھوں نے ایک راوی کو ثقہ بھی کہا اور ضعیف بھی تو ایسے مواقع پر محدثین نے یہی اصول لکھا ہے کہ یہ تضعیف کسی اور بڑے ثقہ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔

چناں چہ ایک راوی ابو بلج کے بارے میں یحییٰ بن معین، نسائی، دارقطنی اور ابن سعد نے کہا کہ ثقہ ہیں؛ مگر ان ہی کے بارے میں ابن الجوزی نے یحییٰ بن معین کا قول ضعیف ہونے کا نقل کیا ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر اپنے کتاب ''بذل الماعون فی فضل الطاعون'' میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و قد وثقه أي أبا بلج يحيى بن معين، و النسائي، و محمد بن سعد، و الدارقطني و نقل ابن الجوزي عن ابن معين: أنه ضعفه فإن ثبت ذلک يكون سُئِل عنه و عمَّن فوقه، فضَعَّفَه بالنسبة إليه. و هذه قاعدة جليلة فيمن اختلف النقل عن ابن معين فيه نبه عليها أبو الوليد الباجي في كتابه "رجال البخاري " (بذل الماعون: ۱۱۷)

لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ ابو قبیل کے بارے میں امام یحییٰ کے یہ دو اقوال اس لیے ہیں کہ وہ ان کو ثقہ تو جانتے تھے؛ لیکن کسی اور بڑے راوی کے لحاظ سے ان کو کمزور قرار دیا ہے۔

دوسرے راوی جن پر کلام ہے وہ بقیہ بن الولید ہیں۔ ان کے بارے میں بھی ائمہ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہت سے حضرات نے ان کو مطلقاً ضعیف قرار دیا ہے، جب کہ بعض کا خیال ہے کہ اگر یہ معروف راویوں سے روایت کریں، تو مقبول ہیں اور غیر معروف لوگوں سے روایت کریں تو نا قابلِ قبول ہیں اور اکثر ائمہ کا عمل یہ ہے کہ یہ اگر شامی راویوں سے روایت کریں، تو اس کو حجت مانتے ہیں، ورنہ نہیں اور اکثر حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ خود تو ثقہ ہیں؛ مگر ان میں تدلیس کی عادت تھی؛ لہٰذا اگر یہ تحدیث و سماع کی صراحت کریں، تو قبول ہے اور اگر اس کی صراحت نہ کریں، تو قبول نہیں ہے۔ (دیکھو: تہذیب الکمال: ۴/۱۹۶-۲۰۰، تہذیب التہذیب: ۱/۴۱۶-۴۱۸)

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر راوی حدیث ''بقیہ'' مطلقاً ضعیف ہیں- جیسا کہ ایک رائے ہے- تو ان

کی یہ روایت متابعت میں ہونے کی وجہ سے کوئی اشکال نہیں ؛ کیوں کہ متابعت میں ضعیف کی حدیث بھی مقبول ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ معاویہ بن سعید سے روایت کرنے میں بقیہ بن الولید کی متابعت بھی موجود ہے۔ چناں چہ امام طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں یہی معاویہ بن سعید کی حدیث ولید بن مسلم سے روایت کی ہے، لہٰذا اس کے بعد تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے اور اگر ان کا عیب صرف تدلیس ہے جیسا کہ ایک رائے ان کے بارے میں یہ بھی ہے-تو انھوں نے امام احمد اور عبد بن حمید کی سند میں تحدیث کی تصریح کر دی ہے، الہٰذا تدلیس کا شبہ بھی ختم ہو گیا اور یہ روایت قابلِ اعتبار ہو گئی۔

اور تیسرے متکلم فیہ راوی-معاویہ بن سعید ہیں، جو بقیہ کے استاذ و شیخ ہیں، ان کو ابن حبان نے کتاب الثقات میں داخل کیا ہے اور لکھا ہے کہ "یروی المقاطیع" (منقطع روایات بیان کیا کرتا تھا)۔ (الثقات لابن حبان: ۱۶۶/۹)

ابن حبان کے علاوہ کسی نے اس کی نہ تجریح کی ہے، نہ توثیق؛ ایسا راوی جس کے بارے میں سب علما خاموش ہوں اور ابن حبان اس کی توثیق کریں، اس کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب علامہ عراقی نے دیا ہے، جب ان سے حافظ ابن حجر نے اس کے بارے میں پوچھا تھا، چناں چہ "أجوبة الحافظ ابن حجر علی أسئلة بعض تلامذته " کے اخیر میں یہ سوال وجواب منقول ہے۔ حافظ ابن حجر کا ابن حبان کی توثیق کے سلسلے میں سوال یہ تھا :

"ما تقول سيدى في أبي حاتم بن حبان إذا انفرد بتوثيق رجل لا يُعرَفُ حالُه إلا من جهة توثيقه له ، هل ينهض توثيقه بالرجل إلى درجة من يُحتَجُّ به ؟ وإذا ذكر ذلك الرجل بعينه أحد الحفاظ كأبي حاتم الرازي بالجهالة، هل يرفع عنه توثيق ابن حبان له وحده أم لا ؟

(اے میرے سردار! آپ ابو حاتم بن حبان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، جب وہ کسی ایسے راوی کی توثیق میں متفرد ہوں، جس کا حال سوائے ابن حبان کی توثیق کے کسی اور ذریعے سے معلوم نہ ہو، تو کیا ان کی توثیق آدمی کو اس شخص کے درجے میں کھڑا کر سکتی ہے، جس سے حجت لی جاتی ہے؟ اور اگر کوئی اور محدث جیسے ابو حاتم رازی بعینہ اسی راوی کو جہالت سے ذکر کرے، تو کیا تنہا ابن حبان کی توثیق اس راوی سے جہالت اٹھا سکتی ہے؟)

←

اس کا جواب علامہ عراقی نے یہ دیا ہے:

الجواب: إن الذين انفرد ابن حبان بتوثيقهم لا يخلو: إما أن يكون الواحد منهم لم يرو عنه إلا راو واحد أو روى عنه اثنان ثقتان و أكثر، بحيث ارتفعت عنه جهالة عينه، فإن كان روى عنه اثنان فأكثر، و وثقه ابن حبان، و لم تجد لغيره فيه جرحاً، فهو ممن يُحتَجُّ به، وإن وجدنا لغيره فيه جرحاً مُفَسَّراً، فالجرح مقدَّم .... فأما من وثقهم ولا يعرف لواحد منهم إلا راو واحد، فقد ذكر ابن القطان في "كتاب بيان الوهم والايهام." أن من لم يرو عنه إلا واحد، و وثق فإنه تزول جهالته بذلك."

(جواب یہ ہے کہ جن لوگوں کی ابن حبان نے توثیق کی ہے، وہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو اس راوی سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہوگا یا اس سے دو یا زیادہ ثقہ راوی روایت کرنے والے ہوں گے، اس طرح کہ اس سے جہالت ذات مرتفع ہو جائے۔ پس اگر اس سے دو یا زیادہ راوی روایت کرنے والے ہوں اور ابن حبان نے اس راوی کی توثیق کی ہو اور کسی دوسرے محدث سے اس راوی کی کوئی جرح نہ پائی جائے؛ تو یہ راوی قابلِ احتجاج راویوں میں سے ہے اور اگر ہم اس راوی کے بارے میں دوسرے کسی امام کی طرف سے جرح مفسر پائیں، تو پھر جرح توثیق پر مقدم ہے، وہ راوی جن کی توثیق ابن حبان نے کی ہے اور ان سے صرف ایک ہی راوی روایت کرنے والا معلوم ہو، تو امام ابن القطان نے ''کتاب الوہم والایہام'' میں ذکر کیا ہے کہ جس راوی سے صرف ایک ہی راوی روایت کرنے والا ہو اور اس کی توثیق کی گئی ہو، تو اس سے جہالت مرتفع ہو جاتی ہے۔)

(اجوبۃ الحافظ ابن حجر: ۱۳۶-۱۴۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس راوی سے دو لوگ روایت کرنے والے ہوں اور اس کی ابن حبان نے توثیق کی اور کسی اور نے اس کی کوئی جرح نہ کی ہو، تو وہ راوی لائق احتجاج ہوتا ہے۔ اس اصول پر ہم جب غور کرتے ہیں، تو معاویہ بن سعید بھی لائق احتجاج معلوم ہوتے ہیں؛ کیوں کہ ان سے تو دو ہی نہیں؛ بل کہ تقریباً دس اشخاص روایت کرتے ہیں، جیسا کہ تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ (دیکھو: تہذیب الکمال: ۱۷۴/۲۸-۱۷۵، تہذیب التہذیب: ۱۸۶/۱۰-۱۸۷) ←

→

جب ان سے دو سے زائد راوی روایت کرتے ہیں اور کسی نے ان پر جرح نہیں کی ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں داخل کیا ہے، تو ان کا لائقِ احتجاج ہونا ثابت ہوا۔

الغرض یہ دوسرا طریق متصل ہے اور اس کے راویوں پر کلام تو بے شک ہوا ہے؛ مگر ایسا نہیں کہ قابلِ تحمل نہ ہو؛ بل کہ اکثر تو ان میں مختلف فیہ ہیں؛ لہٰذا یہ روایت بھی علی الاطلاق ضعیف کہلانے کے لائق نہیں؛ بل کہ ایک گونہ قابلِ قبول ہے، پھر اسی کے ساتھ جب یہ دو طریق ایک دوسرے کو تقویت دے رہے ہیں، تو ان کا مجموعہ حسن لغیرہ ضرور ہو جاتا ہے۔

۲- اس سلسلے میں دوسری حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کو امام ابو یعلی نے اپنے مسند میں اور ان ہی سے امام ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وُقِيَ عَذَابَ الْقَبْرِ. »

(جو شخص جمعہ کے دن مرتا ہے؛ اسے عذابِ قبر سے بچالیا جاتا ہے۔)

(مسند أبي يعلى: ۴۱۱۳، الكامل في الضعفاء: ۳۸۲/۸)

یہ حدیث پہلی حدیث کی شاہد ہے، اس کی سند میں یزید بن ابان الرقاشی اور واقد بن سلامہ دو راوی ہیں، جن پر کلام کیا گیا ہے، یزید الرقاشی تابعی ہیں اور اپنے زمانے کے مشہور واعظ اور صوفی ہیں، ان کے زہد و عبادت اور صلاح و تقوے کے واقعات بے شمار ہیں؛ مگر حدیث کی روایت میں ان کو ضعیف قرار دیا گیا ہے؛ کیوں کہ وہ اگرچہ صدق وصفا کے حامل اور زہد و عبادت کے جامع تھے؛ لیکن حفظ و اتقان میں ایسے نہیں تھے کہ ان کی حدیث پر اعتماد کیا جا سکے؛ اسی لیے امام شعبہ کہا کرتے تھے کہ میں زنا کرلوں، یہ مجھے یزید الرقاشی سے حدیث بیان کرنے سے زیادہ پسند ہے، ایک بار یوں کہا کہ یزید الرقاشی سے روایت کرنے سے بہتر ہے کہ میں ڈاکا زنی کروں، اسی لیے امام احمد اور امام ابوداود وغیرہ نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے۔

امام ابن حبان نے ان کے بارے میں بہت صحیح کہا:

”وكان من خيار عباد الله من البكائين بالليل في الخلوات والقائمين بالحقائق في السبرات، ممن غفل عن صناعة الحديث وحفظها واشتغل بالعبادة

وأسبابها؛ حتى كان يقلب كلام الحسن فيجعله عن أنس عن النبي عليه الصلاة والسلام و هو لا يعلم، فلما كثر في روايته ما ليس من حديث أنس وغيره من الثقات بطل الاحتجاج به ، فلا تحل الرواية عنه إلا على سبيل التعجب.“

(یہ اللہ کے بہت بہترین بندوں میں سے تھے، رات بھر خلوتوں میں رونے والوں اور مسکینی میں حقائق پر قائم رہنے والوں میں سے تھے؛ لیکن فنِ حدیث اور اس کی یادداشت سے غفلت کرنے والوں اور عبادت اور اس کے اسباب میں مشغول رہنے والوں میں سے تھے؛ یہاں تک کہ وہ بے خبری کی بنا پر حضرت حسن بصری کے کلام کو الٹ کر حضرت انس سے حدیث رسول بنا دیتے تھے، پس جب ان کی روایات میں وہ حدیثیں زیادہ ہوگئیں، جو حضرت انس وغیرہ ثقات کی حدیث نہیں تھیں، تو ان سے احتجاج باطل قرار پایا؛ لہٰذا ان سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں ہے؛ الا یہ کہ بر سبیلِ تعجب روایت کی جائے۔)

(المجروحین لابن حبان:۹۸/۳)

الغرض یزید بن ابان الرقاشی اگرچہ عابد و زاہد اور صالح و متقی آدمی تھے؛ لیکن وہ حدیث کے آدمی نہیں تھے؛ اس لیے ائمہ نے ان سے حدیث نہیں لی اور ان کو حدیث میں ضعیف قرار دیا۔

دوسرے راوی واقد بن سلامہ ہیں، جن کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ ان کی حدیث صحیح نہیں، ابن عدی نے کہا کہ ان سے کچھ زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں اور حافظ ابن حجر نے لسان المیز ان میں لکھا ہے کہ امام ابو حاتم نے کہا کہ یہ خود تو ثقہ ہیں؛ لیکن یزید الرقاشی سے روایت کرنے کی وجہ سے ان کی حدیثوں میں ضعف ہے۔ عقیلی اور ابن الاثر ود نے ان کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

(الکامل:۳۸۱/۸-۳۸۲، لسان المیزان:۳۷۱/۸)

الغرض یہ حدیث ضعیف ہے، تاہم شواہد میں اس کو لیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ لہٰذا یہ حدیث پہلی دو روایتوں کی تقویت کا باعث ہے۔

۳- اس سلسلے میں تیسری حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر، و جاء يوم القيامة عليه طابع الشهداء.“

(جو شخص جمعہ کے دن میں یا جمعہ کی رات میں مرتا ہے، اسے عذاب قبر سے پناہ دی جاتی ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہداء کا نشان ہوگا۔) (حلیۃ الاولیاء:۳/۱۵۵)

مگر یہ حدیث نہایت ہی ضعیف ہے؛ بل کہ قریب بہ موضوع ہے، کیوں کہ اس کا راوی عمر بن موسیٰ بن الوجیہ انصاری شامی کو ابن حبان اور ابن عدی نے کذاب قرار دیا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ یہ حدیث کی سند و متن گھڑتا تھا۔ ابن معین نے کہا کہ یہ لائق اعتماد نہیں، نسائی اور دار قطنی نے کہا کہ متروک ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ ذاہب الحدیث ہے اور حدیث گھڑتا تھا۔

(الکامل ۶/۱۳-۲۳، تعجیل المنفعۃ: ۲/۴۹، المجروحین:۲/۸۶)

لہٰذا یہ حدیث استشہاد میں بھی پیش کرنے کے لائق نہیں ہے۔

۴- چوتھی حدیث حضرت انس بن مالک سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

لا یَنْجُو مِنْ ضَغْطَةِ القَبْرِ إلاَّ شَهِيْدٌ أو مَصْلُوْبٌ أو مَنْ مَاتَ يَوْمَ الـجُمُعَةِ أو لَيْلَةَ الـجُمُعَةِ .

(قبر کے دبوچنے سے کسی کو نجات نہیں، سوائے اس کے، جو شہید ہوا ہو، یا جسے (بلا وجہ) سولی پر لٹکایا گیا ہو، یا جو جمعے کے دن یا رات میں مرا ہو۔)

(مسند الفردوس:۵۲۴۵، تعزیۃ المسلم:۱۰۹)

مگر یہ حدیث بھی نہایت منکر و موضوع ہے؛ کیوں کہ دو راوی انتہائی ضعیف ہیں: ایک حسین بن علوان دوسرے ابان بن ابی عیاش۔ حسین بن علوان کو امام یحییٰ بن معین نے کذاب کہا اور امام ابو حاتم، نسائی اور دار قطنی نے واہی اور متروک الحدیث کہا ہے اور ابن حبان نے کہا کہ حدیث گھڑتا تھا۔

(الجرح والتعدیل:۳/۶۱، الضعفاء للعقیلی:۱/۲۵۱، الضعفاء والمتروکین:۱/۵۱۲)

اور ابان بن ابی عیاش اگرچہ کہ نیک و صالح تھے؛ مگر حافظے کی کمزوری کی وجہ سے احادیث میں گڑ بڑ کر دیا کرتے تھے، اس لیے علما نے ان سے حدیث لینے کو جائز نہیں سمجھا، امام یحییٰ بن معین نے کہا کہ ان کی حدیث لاشیء ہے، ابو زرعہ نے کہا کہ متروک الحدیث تھے اور جب امام ابو زرعہ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے تھے؟ تو کہا کہ نہیں، وہ حدیث حضرت انس اور شہر بن حوشب اور حضرت حسن بصری سے سنتے تھے اور ان کی احادیث میں تمیز نہیں کرتے تھے۔ امام ابو حاتم

نے کہا کہ یہ نیک وصالح تھے؛ لیکن سوئے حافظے کی مصیبت تھی۔امام شعبہ نے کہا کہ اگر لوگوں سے حیاء نہ ہوتی، تو میں ابان کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھتا اور ایک بار یہ کہا کہ میں زنا کروں، یہ ابان سے روایت کرنے سے بہتر ہے۔ (الجرح والتعدیل:۲/۲۹۶،الضعفاء للعقیلي:۱/۳۹)

الغرض یہ روایت بھی انتہائی ضعیف ومنکر ہے؛ لہٰذا اس کو بھی کوئی حیثیت نہیں دی جاسکتی کہ اس کو شاہد قرار دیا جاسکے۔خلاصہ یہ ہے کہ پہلی اور دوسری حدیث کو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث قرار دے کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔

اس تحقیق سے یہ بھی بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اصولِ حدیث کی روشنی میں اوپر ذکر کردہ احادیث میں سے پہلی اور دوسری حدیث کے پیشِ نظر اس کو حسن قرار دینا بالکل حق ہے؛ کیوں کہ تمام محدثین اس بات کو مانتے ہیں کہ اگر کسی حدیث کے دو طریق ہوں، خواہ وہ دونوں ضعیف ہی کیوں نہ ہوں، وہ ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں اور اس کی وجہ سے کبھی ایسی حدیث کا درجہ حدیث حسن اور کبھی حدیث صحیح لغیرہ کا ہوجاتا ہے۔ (تخریج هدایة الرواة:۲/۹۶)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محقق شیخ شعیب ارناؤط کا مسند احمد کی تحقیق میں اس کو ضعیف قرار دینا محلِ نظر ہے۔اور ہمارے نزدیک اس سلسلے میں شیخ ناصرالدین الالبانی کی بات صحیح ہے کہ انھوں نے اس کو صحیح یا حسن قرار دیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر کی کتاب ''ہدایۃ الرواۃ'' کی تخریج میں انھوں نے لکھا ہے۔

- **حدیثِ مذکور پر ایک اشکال کا جواب**

ہاں! اس حدیث کے مضمون ومتن پر ایک دوسری حدیث سے اشکال کیا گیا ہے اور اسی اشکال کی وجہ سے امام طحاوی نے ''مشکل الآثار'' میں اس حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔اشکال یہ ہے کہ ایک حدیث میں جو حضرت عائشہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے یہ آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

" إِنَّ لِلْقَبْرِ لَضَغْطَةً لَوْ كَانَ أَحَدٌ نَاجِيًا مِنْهَا نَجَا مِنْهَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ "

(بلاشبہ قبر دبوچے گی، اگر کوئی شخص اس سے نجات پاتا تو سعد بن معاذ ضرور اس سے نجات پاتے۔)

(صحیح ابن حبان:۷/۳۱۱۲،مشکل الآثار:۱۳/۲۷۳-۲۷۵،مسند اسحاق:۴/۱۱۱۲، تهذیب الآثار للطبری:۳۲۸،اثبات عذاب القبر:۱۱۰-۱۰۸)

اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص کو قبر کے اس دبوچنے سے مفر نہیں، ہر ایک کو قبر دبوچتی ہے، یہاں تک کہ حضرت سعد بن معاذ جیسے صحابی بھی اس سے بچ نہیں سکے۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی شخص جب اس سے بچنے والا نہیں، تو یہ حدیث جس میں یہ آیا ہے کہ جمعہ کو مرنے والا فتنۂ قبر سے محفوظ ہوگا، یہ صحیح نہیں ہے۔

مگر یہ اشکال صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ بعض صحیح احادیث میں یہی فضیلت و بشارت اللہ کے راستے میں پہرہ دینے والے کے حق میں وارد ہوئی ہے؛ مگر کسی نے ان احادیث کو اس لیے رد نہیں کیا کہ یہ مذکورہ حدیثِ عائشہ کے خلاف ہے؛ بل کہ حیرت ہے کہ خود امام طحاوی نے اپنی مشکل الآثار میں بعض ایسی احادیث روایت کی ہیں اور ان کو صحیح مانا ہے۔

چناں چہ حضرت سلمان ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

" رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفَتَّانَ."

(ایک دن و رات کا اللہ کے راستے میں پہرہ ایک ماہ کے روزوں اور رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور اگر وہ شخص مرجائے، تو اس کا یہ عمل جاری رہے گا اور اس کا رزق بھی جاری رہے گا اور وہ آزمائش کرنے والے فرشتوں سے مامون ہوگا۔)

(مسلم: ۵۰۴۷، سنن النسائي: ۳۱۶۸، السنن الكبرى للنسائي: ۴۳۶۲، صحيح ابن حبان: ۴۶۲۶، المعجم الكبير للطبراني: ۶۰۵۵ و ۶۰۵۶، الجهاد لابن أبي عاصم: ۳۰۹، مسند أبي عوانة: ۷۴۶۸)

اور یہی مضمون حضرت فضالہ بن عبید سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

" كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ إِلَّا الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنَّهُ يُنْمَى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَأْمَنُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ."

(ہر میت کا عمل ختم کر دیا جاتا ہے، سوائے اس کے جو اللہ کے راستے میں پہرہ دیتے ہوئے مرجائے؛ کیوں کہ اس کا عمل قیامت تک جاری رہے گا اور وہ فتنۂ قبر سے مامون ہوگا۔)

(الترمذي: ۱۶۲۱، أحمد: ۲۴۰۰۰، المعجم الكبير للطبراني: ۱۵۱۹۷، مشكل الآثار: ۲۳۱۶، الجهاد لابن أبي عاصم: ۳۱۷)

پانچویں علامت-شہادت کی موت پانا

انجام بخیر ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں شہادت نصیب ہو۔ متعدد حضراتِ صحابہ سے روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے کو چھ خصلتیں حاصل ہوں گی، ان میں سے ایک یہ بیان فرمائی کہ اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جائے گا:

« لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللهِ سِتُّ خِصَالٍ: يَغْفِرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دُفْعَةٍ مِنْ دَمِهِ، وَيُرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُحَلَّى حُلَّةَ الْإِيمَانِ، وَيُزَوَّجُ مِنَ

=> یہ احادیث صحیح ہیں اور ان میں اللہ کے راستے میں پہرہ دینے والے کے بارے میں آیا ہے کہ وہ فتنۂ قبر سے محفوظ ہوگا؛ حالاں کہ یہ بھی اس حدیث عائشہ کے بظاہر خلاف ہے، تو کیا یہ احادیث بھی ضعیف ہیں؟ لہٰذا زیر بحث احادیث کو بھی حدیثِ عائشہ کے خلاف قرار دینے اور اس کی بنیاد پر ضعیف قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ احادیث درحقیقت حدیثِ عائشہ کے معارض نہیں ہیں؛ کیوں کہ اوپر کی زیر بحث دو حدیثوں جنھیں ہم نے قابلِ لحاظ قرار دیا ہے- میں سے پہلی حدیث میں جمعہ میں مرنے والے کو فتنۂ قبر سے بچانے کا اور دوسری حدیث میں عذابِ قبر سے بچانے کا ذکر ہے اور اکثر علما کے نزدیک فتنۂ قبر سے مراد منکر و نکیر کا سوال و جواب ہے؛ لہٰذا اس حدیث کا مطلب ہوگا کہ جمعہ میں مرنے والے کو عذاب قبر اور فتنۂ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث میں جو مضمون ہے، وہ ضغطۂ قبر کے بارے میں ہے کہ اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں اور یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں: عذاب قبر اور فتنۂ قبر الگ چیز ہے اور ضغطۂ قبر الگ چیز؛ لہٰذا ان دونوں احادیث میں تعارض نہ رہا کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کی تغلیط کی جائے۔

ہاں! البتہ اوپر پیش کردہ تیسری حدیث میں ضغطۂ قبر کا ذکر ہے اور اس حدیث کے بارے میں کہہ چکا ہوں کہ وہ لائق اعتبار نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

الْحُورِ الْعِينِ، وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ إِنْسَانًا مِنْ أَقَارِبِهِ.» (۱)

(شہید کے لیے اللہ کے پاس چھ خاصیتیں ہیں: ایک یہ کہ جب اس کا خون اول دفعہ گرتا ہے، اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ اس کا جنت کا ٹھکانا اس کو دکھا دیا جاتا ہے، تیسرے یہ کہ اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے، چوتھے یہ کہ قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے مامون رکھا جائے گا، پانچویں یہ کہ ایمان کا زیور پہنایا جائے گا اور چھٹے یہ کہ بڑی آنکھوں والی حور سے اس کی شادی کی جائے گی اور ایک یہ کہ اس کی سفارش اس کے خاندان کے ستر آدمیوں کے حق میں قبول کی جائے گی۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والا بھی عذاب سے محفوظ رہتا ہے اور یہ اس کے خاتمہ بالخیر ہونے کی علامت ہے۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہے، جو جہاد کرتے ہوئے اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنی جان کی قربانی دے دے۔

چھٹی علامت-مرنے والے کے حق میں خیر کی گواہی

خاتمہ بالخیر ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ مرنے والے کی مسلمان لوگ تعریف کریں اور اس کی نیکی وصلاح کا لوگوں میں چرچا ہو۔ نیک لوگوں میں اس کے صلاح وتقویٰ، زہد ونیکی کا چرچا اللہ کی جانب سے اس کے حق میں ایک گواہی ہے کہ وہ عنداللہ مقبول ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک بار ایک جنازہ گزرا، تو لوگوں نے اس میت کی تعریف کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "وَجَبَتْ ، وَجَبَتْ ، وَجَبَتْ" (واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی) پھر ایک اور جنازہ گزرا، تو لوگوں نے اس کی برائی کی تو آپ نے پھر یہی کہا کہ "وَجَبَتْ ، وَجَبَتْ ، وَجَبَتْ" (واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر

(۱) سنن ابن ماجه و اللفظ له :۲۷۹۹، سنن الترمذي:۱۶۶۳، مسند أحمد: ۱۷۲۲۱، المجالسة للدينوري:۷۸۰

قربان! جب ایک جنازہ گزرا اور اس کی تعریف کی گئی، تو آپ نے "وَجَبَتْ" فرمایا اور جب دوسرا جنازہ گزرا اور اس کی برائی کی گئی، تو آپ نے "وَجَبَتْ" فرمایا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کی تم نے تعریف کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم لوگوں نے برائی کی اس کے حق میں جہنم واجب ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔(۱)

اس حدیث کی تشریح میں علما کے اقوال مختلف ہیں:

علما میں ایک جماعت وہ ہے، جو اس حدیث کی تشریح میں یہ کہتی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی نیک آدمی کی نیکی دیکھ کر لوگوں نے اس کی تعریف کی، تو وہ جنتی ہے، اسی طرح اگر کسی کی برائی دیکھنے والوں نے اس کی برائی دیکھ کر اس کی برائی کی تو وہ دوزخی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ لوگ بلاوجہ کسی کی تعریف یا برائی کر دیں، تو وہ جنتی یا دوزخی ہو جاتا ہے۔(۲)

اور علامہ داودی نے فرمایا کہ فقہا کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اہلِ صدق وصفا کسی کی اچھائی یا برائی بیان کریں، تو اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا؛ کیوں کہ فاسق وفاجر لوگ بسا اوقات فاسق کی بھی تعریف کر دیتے ہیں۔(۳)

لیکن علما کی ایک بڑی جماعت اس کے برخلاف یہ کہتی ہے اور علامہ نووی نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ اگر کسی آدمی کے بارے میں لوگوں کی زبان پر اللہ کی جانب سے تعریف جاری ہوئی تو وہ جنتی ہے، خواہ اس کے اعمال بظاہر اس کے مطابق نہ ہوں، اسی طرح اگر کسی کی برائی لوگوں کے ذہنوں میں آ گئی اور انھوں نے اس کی برائی کی تو وہ دوزخی ہے خواہ اس کے عمل بظاہر اس کے خلاف ہوں۔(۴)

---

(۱) صحيح البخاري: ۲۲۴۳، مسند أحمد: ۱۲۹۶۱

(۲) شرح مشكاة للعلامة الطيبي: ۳/۳۸۵

(۳) إكمال المعلم: ۳/۲۲۰، عمدة القاري: ۸/۲۸۱

(۴) شرح مسلم: ۷/۱۹، فتح الباري: ۳/۲۳۱، عمدة القاري: ۸/۲۸۲

لہٰذا اہلِ اسلام خصوصاً نیک لوگوں کا کسی میت کی تعریف کرنا بھی اس کے حسنِ خاتمے کی ایک علامت ہے۔

ساتویں علامت-خواب میں زیارتِ نبوی

آں حضور ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہونا بھی ایک علامت ہے اس بات کی کہ زیارت کرنے والے کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوگا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنے ایک ملفوظ میں بیان کیا ہے:

"حضور ﷺ کی زیارت جس کو خواب میں ہوجاتی ہے، اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، پس حضور ﷺ کی زیارت مثالی علامت خاتمہ بالخیر کی ہے۔(۱)

یہ چند اہم علامات حسنِ خاتمے کی یہاں ذکر کی گئی ہیں، ویسے علما نے ان کے علاوہ بھی بعض علامات کا ذکر کیا ہے؛ لیکن چوں کہ ہمارا مقصود سب کا احاطہ کرنا نہیں ہے؛ بل کہ صرف چند اہم علامات کا تذکرہ کرنا مقصود ہے؛ لہٰذا یہاں چند اہم امور پر اکتفا کیا گیا ہے۔

اے میرے پیارے اللہ! محض اپنے فضل وکرم سے مجھ حقیر وفقیر ناکارہ علم وعمل کو بھی اس کا وافر حصہ عطا فرما کر حسنِ خاتمے کی دولت سے مالا مال فرما دیجیے اور سوئے خاتمے سے پوری طرح محفوظ رکھیے؛ کیوں کہ آپ کے سوا کوئی نہیں جو ایمان کی دولت دے اور کوئی نہیں جو اس کو بچانے کی توفیق دے، یہ کام آپ ہی کا ہے۔

---

(۱) ملفوظات حکیم الامت: ۲۲/۴/۱۷ا، انفاس عیسی: ۴۸۸

فصل ہشتم

حسنِ خاتمہ کے چند واقعات

اب اخیر میں حسن خاتمے کے چند واقعات ذکر کرتا ہوں؛ تاکہ ہمیں بھی حسنِ خاتمے کا شوق پیدا ہو اور ہم اس کے لیے جستجو و تیاری کریں۔ اس سلسلے میں واقعات تو لا تعداد ہیں جنھیں تاریخ نے ضبط کیا ہے؛ مگر اس مختصر تحریر میں ان سب کا احصا و احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کی ضرورت ہے؛ لہٰذا یہاں چند اہم واقعات کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات

صحابیٔ رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ ان کے شاگرد معروف تابعی حضرت انس بن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان پر نزع کا عالم طاری تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں موجود لوگوں سے فرمایا کہ مجھے کلمۂ طیبہ کی تلقین کرو۔ چناں چہ لوگوں نے تلقین کی اور آپ برابر کلمۂ طیبہ کا ورد کرتے رہے؛ یہاں تک کہ اسی حال میں کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے ان کا انتقال ہوگیا۔(۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زوجہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا، تو وہ اپنے بالا خانے پر تھے، جس میں چار طرف دروازے تھے، انھوں نے مجھے

(۱) الثبات عند الممات:۱۳۳

بلایا اور فرمایا کہ تمام دروازے کھول دو؛ کیوں کہ آج میرے پاس مہمان آنے والے ہیں اور معلوم نہیں کہ کس دروازے سے آئیں گے۔ پھر مشک لانے کے لیے فرمایا اور کہا کہ مشک کو ملا کر میرے بستر کے اطراف ڈال دینا اور تم یہاں سے نیچے چلی جانا اور کچھ دیر ٹھیرنا اور مجھے دیکھنا کہ میں اپنے بستر پر دراز ملوں گا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے جو دیکھا تو وہ انتقال فرما چکے تھے۔(۱)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ وفات کے وقت خوشی سے کہہ رہے تھے کہ "غداً نلقی الأحبّة محمداً وحزبه" (کل ہم اپنے دوستوں سے ملاقات کریں گے یعنی محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے)(۲)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا، تو وہ زمین پر اپنا چہرہ رکھ کر رونے لگے اور دعا کرنے لگے اور فرمایا کہ اے اللہ! آپ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتے اور دوسرے گناہوں کو جس کے لیے چاہتے ہیں، معاف کر دیتے ہیں، اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دیجیے، جن کے گناہ آپ معاف فرماتے اور بخشش فرماتے ہیں۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ وفات کے وقت یہ شعر پڑھنے لگے:

لا مَنجا مِنَ المَوتِ وَ الَّذِيْ

نُحاذِرُ بَعْدَ المَوتِ أدْهىٰ وَ أفْظَعُ

(موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں؛ لیکن موت کے بعد جو دہشت ناک

(۱) الثبات عند الممات:۱۲۱

(۲) الثبات عند الممات:۱۰۸

حالات ہیں، ہم ان سے ڈرتے ہیں۔)

پھر یہ دعا پڑھنے لگے:

"اللّٰھُمّ أَقِلِّ العثرۃَ، و اعفُ عن الزَّلّۃِ، و تجاوَزْ بحِلْمِکَ عن جَھْلِ مَنْ لَمْ یَرْجُ غَیْرَکَ، فَإنَّکَ واسِعُ المَغفِرَۃِ، لَیْسَ لِذِيْ خَطِیْئَۃٍ مِنْ خَطِیْئَتِہٖ مَھْرَبٌ إلاَّ إلَیْکَ."

(اے اللہ! لغزش کو دور فرما، خطا کو معاف فرما اور اپنے حلم کے صدقے اس شخص کی جہالت سے درگزر فرما، جو صرف آپ ہی سے امید رکھتا ہے، بلاشبہ! آپ بڑی مغفرت والے ہیں، کسی گناہ گار کو اپنے گناہوں سے بھاگنے کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں کہ وہ آپ کی طرف آئے۔)

اسی دعا کا ورد کرتے رہے اور بالآخر یہی پڑھتے پڑھتے آپ نے جاں جانِ آفریں کے سپرد کردی۔(۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پر جب نزع طاری ہوا؛ تو آپ نے کہا کہ مجھے بٹھادو، جب بٹھادیے گئے، تو اللہ تعالیٰ سے کہنے لگے: اے اللہ! میں وہ ہوں کہ آپ نے حکم دیا تو قصور کردیا اور آپ نے منع کیا تو نافرمانی کی، پھر کلمہ طیبہ پڑھا اور آسمان کی جانب گھور گھور کر دیکھنے لگے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! آپ آسمان کی جانب گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ میں کچھ ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، جو نہ انسان ہیں نہ جنات۔ اور کہا کہ ان صورتوں کو مرحبا ہو، جو نہ جن ہیں نہ انسان ہیں۔

پھر ﴿سُوْرَۃُ الْقَصَصِ﴾ کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ.﴾

(۱) البدایۃ والنھایۃ:۸/۱۵۱-۱۵۲

ترجمہ: یہ آخرت کا گھر ہے، ہم یہ ان لوگوں کو عطا کریں گے، جو زمین میں نہ اپنی بڑائی چاہتے ہوں اور نہ بگاڑ پیدا کرنا اور (اللہ کی نافرمانی سے) بچنے والوں ہی کے لئے بہتر انجام ہے۔

پھر آپ کی آواز پست ہوگئی، دیکھا تو روح قبض ہو چکی تھی۔ (۱)

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ کا واقعہ

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ بڑے محدث اور عالم گزرے ہیں، ان کو بے شمار احادیث یاد تھیں، جب ان کے انتقال کا وقت آیا، تو وہ بیمار ہو گئے تھے، ایک دن چند اہم علما اور محدثین ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور دوران ملاقات عرض کیا کہ حضرت! ہم آپ سے کوئی حدیث سننا چاہتے ہیں۔

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے اسی بیماری کی حالت میں حدیث سنانے کے ارادے سے حدیث بیان کی ارادہ حدیث بیان کی، جس کا مضمون یہ ہے کہ جس شخص کا آخری کلمہ "لا إله إلا الله" ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ امام ابوزرعہ نے یہ حدیث سنانے کے لیے پہلے اس کی سند بیان کی، پھر کہا کہ: "من كان آخر كلامه: لا إله إلا الله " (جس کا آخری کلام "لا إله إلا الله.") اور ابھی "دخل الجنة" کا جملہ ان کی زبان سے ادا بھی نہیں ہوا تھا کہ روح پرواز کر گئی۔ (۲)

ماشاءاللہ! کس قدر اچھی موت آئی کہ حدیث سنائی اور "لا إلــه إلا الــلــه" پڑھا اور "دَخَلَ الـجَنَّةَ" کہنے سے پہلے خود جنت میں چلے گئے۔

حضرت صفوان بن سلیم

حضرت ابن ابی حازم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صفوان بن سلیم رحمہ اللہ کی وفات کا وقت آیا، تو ان کے دوست احباب ان کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ بے قراری سی کرنے لگے، دوستوں نے

(۱) تاريخ الإسلام للذهبي: ۲۰۴/۷، البداية والنهاية: ۲۳۵/۹

(۲) سير أعلام النبلاء: ۸۵/۱۳

پوچھا کہ کیا استنجا کی ضرورت پیش آئی ہے؟ تو کہا کہ ہاں! مگر ان کی صاحب زادی نے بتایا کہ نہیں، ان کو کوئی ضرورت نہیں پیش آئی ہے؛ بل کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ لوگ ان کے پاس سے اٹھ جائیں، تو وہ نماز پڑھیں۔ وہ حضرات وہاں سے اٹھ کر باہر نکلے اور یہ علی الفور نماز کے لیے مصلے پر کھڑے ہو گئے اور انتقال کر گئے۔ ان کی صاحب زادی نے ان لوگوں کو چیخ مار کر اطلاع دی کہ وہ انتقال کر گئے، پس وہ لوگ داخل ہوئے اور ان کو اٹھا کر لٹا دیا۔ (۱)

امام ابن الخباز

امام محمد بن عبد اللہ ابو بکر عامری المعروف بہ ابن الخباز ﷫ جو بڑے عالم فقہ و حدیث بھی تھے اور بڑے اللہ والے اور واعظ بھی تھے، علامہ ابن الجوزی کے اساتذہ میں ان کا شمار ہے، جب ان کی وفات کا وقت ہوا تو ان کی پیشانی پر پسینا خوب آیا، انھوں نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور ایک شعر پڑھا:

هَا قَدْ بَسَطتُ يَدِي إلَيکَ فَرُدَّهَا
بِالفَضْلِ لاَ بِشَمَاتَةِ الأعداءِ

(میں نے اپنا ہاتھ آپ کی جانب بڑھایا ہے؛ لہٰذا آپ اس کو اپنے فضل سے بھرپور واپس کیجیے، نہ اس طرح کہ دشمن کو برا بھلا کہنے کا موقع ملے۔)

اور پھر کہنے لگے، میں مشائخ کو دیکھ رہا ہوں کہ ان کے سروں پر طبق رکھے ہوئے ہیں اور وہ میرا انتظار کر رہے ہیں، یہ کہہ کر انتقال کر گئے۔ (۲)

حضرت خیر النساج

حضرت محمد بن اسماعیل معروف بہ خیر النساج ﷫ جو کہ کبارِ صوفیہ میں سے گزرے ہیں اور بڑے صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے، آپ کے ایک مرید ابو الحسین مالکی ﷫

(۱) الثبات عند الممات:۵٦

(۲) المنتظم في تاريخ الملوک و الأمم:۱۰/۲۵ البداية و النهاية:۱۲/۲٦۲

فرماتے ہیں کہ میں نے خیر النساج کی کئی سال تک صحبت پائی ہے اور ان کی بے شمار کرامات بھی دیکھی ہیں، کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اپنی وفات سے آٹھ دن قبل حضرت خیر النساج ﷫ نے مجھ سے فرمایا کہ اس جمعرات کی مغرب کو میری موت ہونے والی ہے اور میں جمعہ کے دن نماز سے قبل دفن کیا جاؤں گا۔ تم بھولتے بہت ہو، اس بات کو نہ بھولنا۔

ابوالحسین مالکی ﷫ کہتے ہیں کہ میں اس کے باوجود اس بات کو بھول گیا اور جمعے کے دن ایک شخص نے مجھے اس کی خبر دی کہ ان کی وفات ہوگئی۔ میں ان کے جنازے میں شرکت کے لیے نکلا، تو دیکھا کہ لوگ واپس ہو رہے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، تو بتایا گیا کہ بعد نماز تدفین ہوگی؛ لیکن میں نے ان کے کہنے کا لحاظ نہ کیا اور جنازے کے لیے آگے بڑھا، تو معلوم ہوا کہ جنازہ نماز سے قبل ہی جا چکا ہے۔

کہتے ہیں کہ میں نے وہاں جاننے والوں سے ان کی موت کے احوال جاننا چاہا، تو انھوں نے بتایا کہ جب موت کا وقت آیا، تو وہ بے ہوش ہوگئے، پھر ہوش آیا، تو آنکھیں کھولیں اور گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ٹھیرو۔ اللہ تمھیں عافیت دے۔ دیکھو میں بھی اللہ کی جانب سے ایک حکم دیا گیا ہوں اور تم بھی حکم دیے گئے ہو اور تمھیں جس بات کا حکم دیا گیا ہے، وہ تو فوت نہیں ہو سکتا اور جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے، وہ فوت ہو سکتا ہے؛ لہٰذا مجھے مہلت دو کہ میں میرا کام پورا کرلوں۔ پھر آپ نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر لیٹ گئے اور آنکھیں بند کرلی اور کلمۂ شہادت پڑھا اور انتقال ہوگئے۔(۱)

شیخ حسن الکردی

شیخ حسن الکردی ﷫ شاغور مقام پر اپنے باغ میں رہتے تھے اور وہیں کچھ پکا کر اسی سے گزر بسر کرتے تھے اور لوگ وہیں ان کی زیارت و ملاقات کو حاضر ہوتے تھے۔ جب وفات کا وقت آیا، تو

(۱) المنتظم في تاريخ الملوك والأمم: ۶/۲۷۴

انھوں نے غسل کیا اور اپنے بال کاٹے، پھر نماز پڑھنے لگے اور اسی میں ان کا انتقال ہوگیا۔(۱)

امام عبداللہ بن المبارک

امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا جب انتقال ہونے لگا، تو ایک شخص نے ان کو کلمہ شہادت کی تلقین کی، امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے کلمہ پڑھا؛ مگر وہ شخص پھر بھی کلمہ کی تلقین کرتا رہا تو آپ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تو صحیح نہیں کر رہا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ تو ایک مسلمان کی ایذا کا سبب بنے گا۔ پھر کہا کہ جب تو نے تلقین کی اور میں نے کلمہ پڑھ لیا، تو جب تک میں کوئی اور بات نہ کروں، مجھے اپنے حال پر چھوڑ دے، ہاں! اگر میں کوئی دوسری بات کروں تو دوبارہ تلقین کرنا۔(۲)

امام عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب

امام عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب رحمہ اللہ اپنے وقت کے امام الحدیث اور بڑے علما میں سے تھے، امام ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وہ بہت نیک و صالح شیخ تھے، بڑے ذاکر و تہجد گزار تھے اور خوب رونے والے اکابر میں ان کا شمار تھا جیسا کہ سلفِ صالحین کا طرز تھا۔ ان کے ایک شاگرد امام یوسف بن احمد ہیں، اُنھوں نے ان کی وفات کا قصہ لکھا ہے کہ

> ”جب ان پر موت کا وقت آیا، تو میں نے ان کو اپنے سینے سے لگا کر بٹھا لیا اور آپ کی ذکر کے سلسلے میں بڑی شہرت تھی، پس آپ کے پاس محمد بن القاسم العوفی رحمہ اللہ آئے اور ان کے اوپر جھک کر کہا کہ حضرت! اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ”جس کا آخری کلام ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ ہوتا ہے، وہ جنت میں داخل ہوتا ہے“۔ یہ سن کر آپ نے اپنی آنکھ اٹھا کر انھیں دیکھا اور ﴿سُوْرَةُ يٰسٓ﴾ کی یہ آیت پڑھنے لگے:

---

(۱) البداية النهاية: ۲۰/۱۴

(۲) تاريخ الإسلام للذهبي: ۲۴۶/۱۲، سنن الترمذي: ۱۹۲/۱

﴿ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ، بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ. ﴾

(کہا کہ اے کاش! کہ میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے میری مغفرت کردی اور مجھے اکرام کیے ہوئے بندوں میں سے بنادیا۔)

یہ سن کر سب کے سب حیران رہ گئے اور وہ برابر قرآن کی یہ سورت پڑھتے رہے؛ یہاں تک کہ اس کے اخیر تک پہنچ گئے اور پھر تین بار ''اللہ اللہ اللہ'' کہا اور انتقال کر گئے۔(۱)

اسماعیل بن بہاؤالدین

امام اسماعیل بن بہاؤ الدین محمد یوسف ؒ بڑے عالم و فاضل گزرے ہیں، حفظِ قرآن کے بعد مختلف اساتذہ سے فنِ حدیث پڑھا اور بڑے مقام کو پہنچے؛ مگر ابھی جوانی کی عمر تھی کہ وہ سل کی بیماری میں چھ ماہ تک مبتلا رہ کر انتقال کر گئے۔

امام ذہبی نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب بیمار ہوئے، تو نیکی و طاعت کا بڑا ذوق پیدا ہوگیا اور جب بیماری کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکتے تھے، تو اشارے سے نماز پڑھنے لگے۔ ان کے والد جو خود بہت بڑے محدث تھے، انھوں نے کہا کہ کیا تمھاری کوئی چاہت ہے؟ تو کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت فرمادیں اور یہ کہ آپ قرآن پڑھ کر مجھے ثواب ہدیہ کیا کریں۔ چناں چہ ان کے والد کا معمول تھا کہ اپنی پوری زندگی روزانہ سات قرآن پڑھ کر ان کو ہدیہ کیا کرتے تھے۔

جب ان کی وفات کا وقت آیا، تو لوگوں کے ساتھ ﴿سُوْرَةُ يٰسٓ﴾ پڑھنے لگے؛ مگر بیماری کی وجہ سے بہ دقت تمام پڑھ رہے تھے، پھر اپنے والد سے کہا کہ اس گھڑی میں مرنے والا ہوں؛ لہٰذا غسل دینے والے کا انتظام کیا جائے، والد نے فرمایا کہ موت سے پہلے غسل دینے کون آئے گا؟ کہا کہ میں تو بس ابھی ابھی مرنے والا ہوں، جلدی کیجیے۔ پھر اذان

(۱) تاریخ الإسلام للذهبي: ۱۲۰/۳۸

ہوئی تو اذان کا جواب دیا اور کہا کہ خدا کی قسم! میں اللہ سے ملنا چاہتا ہوں اور میں دار السعادۃ جا رہا ہوں۔ یہ بات بار بار کہتے رہے۔ پھر کہا کہ یہ دنیا تو دار الشقاوت ہے، تھکا دیتی اور مار دیتی ہے۔ پھر آنکھیں بند کرلیں اور انتقال کر گئے۔ (۱)

حضرت نور محمد جھنجھانوی ؒ کے ایک ساتھی کا قصہ

حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دادا پیر حضرت میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی-قدس سرہ- کے ایک پیر بھائی تھے؛ مگر وہ مثل مرید تھے، شیر خان ان کا نام تھا۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا، تو وہ چپ تھے۔ لوگ ان سے کلمہ پڑھواتے تھے اور وہ پڑھتے نہیں تھے۔

لوگوں کو وحشت ہوئی کہ ایسے ذاکر و شاغل آدمی اور ایسی حالت میں دنیا سے جا رہے ہیں! حضرت میانجی صاحب کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ حضرت ان کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ کیسے ہو؟ فرمایا کہ بہت اچھا ہوں؛ مگر ان لوگوں کو منع کر دیجیے کہ مجھ کو پریشان نہ کریں۔ یہ لوگ مجھ کو مسمّٰی سے اسم کی طرف لاتے ہیں، میں غافل نہیں ہوں۔

حضرت میانجی نے لوگوں سے کہا کہ بھائی! ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ یہ بڑے مقام پر ہیں، تم کو اس کی کیا خبر ہے۔ (۲)

اختتام اور دعائے خاتمہ بالخیر

یہاں پر اس رسالے کا اختتام کرتا ہوں اور اس سے استفادہ کرنے والے حضرات سے بڑی لجاجت کے ساتھ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے حق میں ضرور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ ناکارہ، گنہ گار حقیر و فقیر پر از تقصیر کی جملہ تقصیرات اور گناہوں کو معاف فرمائے اور مجھے اپنی رضائے کامل سے مالا مال و متمتع فرمائے اور یہ کہ مجھے خاتمہ بالخیر نصیب ہو اور

(۱) تاریخ الإسلام للذهبي: ۱۱۴/۵۲

(۲) خطبات حکیم الامت: ۲۴۳/۲۶

دنیااورآخرت کی رسوائی سے بچائے اور جنت عطا کرے اور دوزخ سے بچائے۔

اے اللہ! اے رحمٰن! اے کریم! اے داتا! اے سب کو نوازنے والے! اے معاف کرنے والے! اے اپنے بندوں پر رحم وکرم کرنے والے! مجھ پر رحم وکرم فرمادیجیے، میرے گناہوں کو معاف فرمادیجیے، اے پروردگارِ عالم! مجھے اعتراف ہے کہ میں بڑا مجرم وگنہ گار ہوں؛ لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ بہت بخشنے والے ہیں اور آپ کی رحمت کا سمندر سارے ہی مجرموں اور گنہگاروں کے گناہوں کو دھو دیتا ہے اور آپ کے دریائے رحمت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اے اللہ! مجھے دنیا اور آخرت کی رسوائی سے بچا لیجیے، ایمان پر خاتمہ عطا فرمایئے، سوئے خاتمے سے بچا لیجیے، شیطان کی اور نفس کی مکاریوں اور فریب دہیوں سے محفوظ فرمادیجیے۔ آمین یارب العالمین۔